

گرجے کا تابوت

PDFBOOKSFREE.PK



تاریخ: 18/11/2017

61

گر جے کا تابوت

اے حمید

بچوں کے پڑا سرار ناول کا سلسلہ

شیخ غلام علی اینڈ سَنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،

لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ

شیخ نسیب احمد

طابع :

غلام علی پرنٹرز

مطبع :

جامعہ اشرفیہ، لاہور

مقام اشاعت :

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ پبلشرز

ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

فہرست

5	_____	1 مگر جے کا تابوت
22	_____	2 قاتل گدھ
39	_____	3 غنبر عورت بن گیا
57	_____	4 لاشوں کے چور
75	_____	5 کانا چگا دڑ
86	_____	6 فرعون کی ممی

پیارے بچو! مکار خادمہ نے عنبر اور بوڑھے کپتان جارج کے
 کے خلاف ایک بھیانک سازش تیار کی۔ اُس نے قتل ہونے والے کے بڑے
 بھائی سے مل کر ایک بہانے سے عنبر اور بوڑھے جارج کو گر جا گھر کے
 پیچھے خاندانی قبرستان کے تہ خانے میں بند کر دیا اور پتھر کا دروازہ گرا
 دیا۔ یہ دروازہ اس قدر مضبوط تھا کہ عنبر بھی اسے اپنی جگہ سے نہ ہلا
 سکا۔ تہ خانے میں سوائے تابوت میں پڑی ہوئی لاشوں کے اور کچھ نہ
 تھا۔ موسمِ تہی بھی جلتے جلتے بجھ گئی۔ لاشوں والے تہ خانے میں اندھیرا
 چھا گیا۔ بوڑھے جارج پر غمِ ظاری ہونے لگی۔ عنبر اسکی جان بچانے
 کی فکر میں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ شخص نہیں بچ سکے گا۔ ادھر ناگ
 بھی انسان کی شکل میں اسی شہر میں چلی پھر رہا تھا۔ اُسے خادمہ
 کے مکان کے قریب سے گزرتے ہوئے عنبر کی محسوس ہوئی۔ وہاں
 عنبر کی ایک پرانی قمیص پڑی تھی۔ اس نے دروازے پر دستک
 دی اور خادمہ سے پانی مانگا۔ اس نے انکار کر دیا اور دروازہ بند
 کر دیا۔ ناگ رات کے اندھیرے میں وہیں کھڑا اُس پر اسرارِ مکان کو
 غور سے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟
 یہ آپ خود پڑھیے۔

گرجے کا تابوت

مکار خادمہ گمریٹا کی سازش بڑی بھیانک تھی۔

اگر عنبر کے پاس خفیہ طاقت نہ ہوتی تو اُسے اور بوڑھے جاگیردار کپتان جارج کو ہلاک ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی تھی۔ ایسی خطرناک سازش آج تک کبھی کسی نے عنبر کے خلاف تیار نہیں کی تھی۔ چھوٹے بھائی مائیکل کے قتل ہونے کے بعد مکار خادمہ بوڑھے جارج کے پرانے خاندانی گھر میں بھاگ کر مائیکل کے بڑے بھائی ہنری کے پاس چلی گئی۔ ہنری کے اُس بھائی جارج کے خلاف پہلے تو خوب کان بھرے اور کہا کہ اُس نے بیکل کو اپنی خواب گاہ میں بلا کر قتل کیا ہے۔ مائیکل بے گناہ تھا وہ جارج کو قتل کرنے کی نیت سے اُس کے کمرے میں ہرگز نہیں گیا تھا۔ ہنری بڑا چالاک آدمی تھا۔ وہ ساری بات سمجھ گیا تھا۔ اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ اُس کا خالہ زاد بھائی مائیکل بوڑھے جارج کو قتل کر کے اسکی ساری جائیداد پر قبضہ کرنے کی نیت سے اُسکی خواب گاہ میں گیا تھا مگر چال الٹی پڑ گئی اور خود مارا گیا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ مکار خادمہ اُس کے ساتھ ملی ہوئی تھی مگر اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ عنبر کس قدر طاقت کا نوجوان ہے اور یہ کہ اس پر موت کا اثر نہیں

ہوتا۔ ہنری کو یہ بھی معلوم تھا کہ مائیکل نے بوڑھے جارج کو ہلاک کرنے کے بعد اُسے بھی ہلاک کرنے کے منصوبہ بنا رکھا تھا اتنا کہ وہ کسی دوسرے کی شرکت کے بغیر ساری جائیداد کا اکیلا مالک بن بیٹھے۔

چنانچہ مائیکل کے مرنے کے بعد ایک طرح سے اُسے بھی الیمینان ہو گیا کہ ایک روڑا تو اسکی راہ سے ہٹ گیا۔ اب صرف بوڑھا جاگیردار باقی تھا۔ اُس کو قتل کرنے کی سازش وہ مکار خادمہ کے ساتھ مل کر بنانی چاہتا تھا۔ مکار خادمہ گریٹا اس لیے ہنری کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتی تھی کہ اگر مائیکل نہیں تو وہ ہنری سے ہی شادی کر کے دولت مند بن کر باقی زندگی بسر کر سکے۔ وہ ہنری پر یہی اثر ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اُسے بوڑھے جارج کی دولت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ تو مائیکل کے قتل کا بوڑھے جارج سے بدلہ لینا چاہتی ہے۔ اس مکار خادمہ نے بھی ایک منصوبہ اپنے دفاتر میں بنا رکھا تھا جو یہ تھا کہ بوڑھے جارج کی موت کے بعد وہ ہنری کو اپنے دام میں پھنسا کر اُس سے شادی کر لے گی اور بعد میں وہ اس کو بھی موت کی نیند سلا کر اس پرانے شاہی مکان اور خاندان کی پوری کی پوری جائیداد کی واحد مالک بن بیٹھے گی۔

مکار خادمہ بھی ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتی تھی اور چالاک ہنری بھی ایک تیر سے دو نشانے لگانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی

سیکیم پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اس نے مکار خادمہ پر یہی ظاہر کیا کہ واقعی مائیکل بے گناہ تھا اور بوڑھا جارج اور اس کا ساتھی ہمان عنبر دونوں اس کے قاتل ہیں۔ وہ اپنی مونچھوں پر انگلی پھیرتے ہوئے بولا۔

”بوڑھے نے میرے بھائی کو ہلاک کیا ہے۔ میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے اس کی موت کی ذرا پروا نہیں۔ میں اُس سے اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ لوں گا۔ اور اس عنبر سے بھی جو اس قتل میں برابر کا شریک تھا اب خودخواہ ہمارے جانیبداد کا حصہ دار بن کر آن بیٹھا ہے۔“
خادمہ گر میٹا نے کہا۔

”بوڑھا جارج تو اُسے اپنی جانیبداد کا آدھا حصہ دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں نے اُسے ایک روز یہ کہنے سنا تھا کہ عنبر! میں تمہیں جانیبداد کا آدھا حصہ دوں گا۔“

ہنری نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

”دیکھوں گا، وہ بڑھا کس طرح ہماری خاندانی جانیبداد کا آدھا حصہ ایک غیر ملکی کو دیتا ہے۔“

خادمہ گر میٹا نے جھوٹے آنسو لاتے ہوئے کہا۔

”ہنری! اپنا خیال رکھنا۔ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میرا اس دنیا میں کون ہے پھر؟ میری باقی زندگی تو اب تمہاری خدمت میں ہی

گزرے گی۔

ہنری نے چکیلی بھیڑیے ایسی آنکھوں سے گرٹا کو دیکھ کر کہا۔
 "فکر کرو گرٹا! میں اپنی حفاظت کرنا خوب جانتا ہوں۔ میں
 ان دونوں کو اس طرح اپنے خوفناک جال میں الجھاؤں گا کہ انہیں
 اس وقت پتہ چلے گا جب موت کا خنجر ان کی گردن کاٹ رہا ہو گا۔"
 گرٹا نے خوش ہو کر کہا۔

"شاباش! ہنری! مجھے تم سے یہی امید ہے۔ ان لوگوں سے ایسا
 بدلہ لو کہ مائیکل کی طرح جنت میں خوش ہو جائے۔"

اور دل میں سوچتے ہوئے کہ جلدی بڑھے جارہے جا رہے تاکہ
 بعد میں، میں تمہیں بھی ٹھکانے کا بکری ساری جائیداد کی مالک بن
 جاؤں۔ ہنری دل میں کہہ رہا تھا۔ "فکر کرو مکار خادمہ گرٹا کی نانی!
 میں ایسا چکر چلاؤں گا کہ تم بھی نہ بچ سکو گے۔ اوپر سے اُس نے کہا۔
 "گرٹا! میں شام کو بڑھے جارہے کے پاس آسکی جان بچ جانے
 کی مبارک دینے جا رہا ہوں۔"
 خادمہ گرٹا نے کہا۔

"ضرور جاؤ ہنری! یہ بہت ضروری ہے۔"

"اے اے اے! ہنری نے قہقہہ لگایا۔ "یہ بڑھا اور اس کی ساری جائیداد
 مجھ سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتی۔ میں اس خاندان کا آخری آدمی ہوں۔
 اس ساری جائیداد کا واحد وارث میں ہوں۔"

خادمہ گریٹا نے جھٹ گدہ لگائی۔

”اور آپ کی خدمت کرنے والی صرف میں ہوں۔“

”کیوں نہیں کیوں نہیں۔ تم میرے ساتھ ہمیشہ رہو گی۔“ بلکہ میں

تم سے شادی کر لوں گا۔“

”سچ!“ خادمہ گریٹا نے خوش ہو کر کہا۔ ”کیا آپ سچ کہہ رہے

ہیں مائی لارڈ ہنری!“

ہنری نے کہا۔

”کیوں نہیں۔ آخر تم میں کیا عیب ہے۔ تم ہماری خادمہ ہو

تو کیا ہوا۔ آخر تم ایک شہابی خاندان کی خادمہ ہو اور خود بھی

ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہو۔ میں تم سے مزور شادی کروں

گا۔ اسی لیے تو میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہنا اور صبر

تہیں کہو، اُس پر عمل کرنا۔ بوڑھے جارج اور اس کے ساتھی کو

ہمیں اس طرح سے ٹھکانے لگانا ہو گا کہ قانون ہم پر ہاتھ نہ ڈال

سکے۔ کیونکہ اگر قتل کرنے کے بعد ہم بھی پکڑے گئے تو سارے کیسے

کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ ہماری جدوجہد کا مقصد فوت ہو جانے

کا، کیونکہ پھر ہمیں یا تو پھانسی کی سزا ہو جائے گی یا ساری عمر قید

خانے میں بسر ہو گی۔“

گریٹا نے سہم کر کہا۔

”نہیں نہیں ہنری! ہمیں بڑی ہوشیاری اور عقل مندی سے یہ

کام کرنا ہو گا۔ تم جس طرح کہو گے میں اُسی طرح سے کمروں گی۔
 ”شاباش! مجھے تم سے یہی امید تھی۔“

ہنری نے گریٹا کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ شام ہوئی تو ہنری نے کلاسوٹ پہنا، کالی ٹائی لگاتی اور بوڑھے جارج کے گھر جا پہنچا۔ سب سے پہلے اُس نے بوڑھے جارج کو اسکی جان بچ جانے پر مبارک باد دی اور پھر اپنے خال زاد بھائی مائیکل کی موت پر افسوس کیا کہ ناحق اپنی جان گنوا بیٹھا۔ بوڑھے جارج نے ہنری کے ساتھ عنبر کا تعارف کروایا۔

”ان سے ملو ہنری! یہ میرے دوست عنبر ہیں۔ ہندوستان سے واپس آتے ہوئے جہاز میں جب مجھ پر چاقو تلانہ حملہ ہوا تھا۔ تو انہوں نے میری جان بچائی تھی۔“
 ہنری نے عنبر سے ہاتھ ملایا اور اُسے غور سے دیکھا۔ پھر مسکراتے ہوئے کہا۔

”مشر عنبر! آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ آپ نے ہمارے چچا جارج کی جان بچا کہ ہم یہ، ہمارے سارے خاندان پر بڑا احسان کیا ہے۔ ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔“

عنبر اس شخص کی نیت سے واقف تھا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اور اسے جارج کے نہ مرنے کا افسوس ہے۔ کیونکہ اسی نے قاتلوں کو بھیجا تھا مگر اوپر سے وہ بھی ہنری سے اچھی طرح ملا۔

ابھی وہ اس کے ساتھ اچھی طرح سے ہی پیش آنا چاہتا تھا تاکہ اُن کے دلوں میں اب کیا سازش ہے، اسکا پتہ چل سکے۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر ہنری چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد عنبر نے کہا۔

”یہ آدمی مجھے بہت مکار لگتا ہے۔“

بوڑھا جارج مسکرایا۔

”اس میں کیا شک ہے عنبر! مگر جانتے ہو یہ میری بہن کی آخری نشانی ہے۔ اس واسطے مجھے ہنری سے محبت سے پیش آنا پڑتا ہے۔“
عنبر کو معلوم تھا کہ بوڑھے جارج کے دل میں اپنے رشتہ داروں کے لیے ایک نرم جگہ ابھی تک موجود ہے۔ حالانکہ یہ لوگ برابر اُس کی زندگی پر قاتلانہ حملے کر رہے تھے۔ عنبر نے تو فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ جب تک اس شہر میں بوڑھے جارج کے پاس ہے اُس کی زندگی کی حفاظت کرے گا۔ دوسری طرف وہ ناگ اور ماریا کی تلاش میں شہر میں گھومتا پھرتا رہتا تھا۔ لیکن یہ لوگ تو ایسے گم ہوئے تھے۔ جیسے گدھے کے سر سے سینک! ایک عرصہ گزر گیا تھا مگر کہیں نظر ہی نہیں آئے تھے۔ خدا جانے کہاں تھے؟ کس حال میں تھے۔ ادھر ہنری نے ایک خوفناک جال تیار کر لیا۔

شہر کے باہر ایک پرانا گرجا گھر تھا۔ جکی دیواروں پر اب گھاس اُگی تھی۔ یہ غیر آباد تھا۔ بہت پرانا تھا۔ کسی زمانے میں بوڑھے جارج کے آباء اجداد یہاں عبادت کیا کرتے تھے۔ اس

گرجے کے ساتھ ہی اُن کا خاندانی قبرستان تھا۔ یہاں ایک جگہ پتھر کا دروازہ تھا جو ایک خفیہ کل کے ذریعے کھلتا تھا۔ اس کے نیچے سیڑھیاں تہہ خانے کو جاتی تھیں۔ یہاں بوڑھے جارج کے آباؤ اجداد کے تابوت رکھے تھے اور ایک لوہے کے صندوق میں اُن کا خاندانی خزانہ بھی دفن تھا۔ ہنری ایک روز بوڑھے جارج کے پاس آیا اور رونی صورت بنا کر کہنے لگا۔

”انکل! رونی میں نے خواب میں اپنی والدہ کو دیکھا۔“
 ہنری کی ماں بوڑھے جارج کی سوتیلی بہن تھی اور جارج اُس سے بڑی محبت کرتا تھا۔ اُس نے کہا۔
 ”اچھا! میری بہن تمہارے خواب میں آئی تھی؟ اس نے میرے بارے میں کچھ کہا تھا؟“
 ہنری نے اداس لہجے میں کہا۔

”یہی تو میں کہنے لگا تھا۔ امی جان نے کہا۔ ہنری بیٹے! اگر جاگھر کے تہہ خانے والے خاندانی قبروں میں جو تابوت رکھے ہیں، اُن میں میرے تابوت میں پانی آ گیا ہے۔ چچا سے کہو کہ میرے تابوت کو وہاں سے اٹھا کر پتھر کے بڑے چبوترے پر رکھ دے۔“
 اس خبر سے تو بوڑھا جارج پریشان ہو گیا۔ اُس نے کہا۔

”یہ تو بڑی افسوس کی بات ہے۔ میں آج ہی تہہ خانے میں جا کر تابوت کو دیکھتا ہوں۔ اگر پانی آ گیا ہو گا تو اسے اٹھا

کر چموتے پر رکھ دوں گا۔ میری بہن کو جنت میں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔“

ہنری نے کہا۔

”انکل! آپ جتنی جلدی ہو سکے اماں کے تابوت کو پانی سے بچائیے۔ خواب میں اماں کو بڑی سرودی لگ رہی تھی۔“
 ”فکر نہ کرو بیٹا! تمہاری اماں میری بہن تھی۔ میں آج ہی تہہ خانے میں اچھاؤں گا۔“

ہنری سلام کر کے چلا گیا۔ اُسکی سازش کا پہلا مرحلہ کامیاب ہو گیا تھا۔ گھر جا کر اُس نے مکاڑ خادمہ گریٹا کو خوش خبری سنائی کہ بوڑھا جارج آج شام گرجا گھر کے تہہ خانے میں جا رہا ہے۔ وہ بڑی خوش ہوئی۔

”بس آج رات ہی ان دونوں کا کام تمام ہو جانا چاہیے۔“
 لیکن ہنری پیارے کیا وہ عنبر جارج کے ساتھ ہی جائے گا؟
 ہنری نے کہا۔

”کیوں نہیں۔ بوڑھا جارج اکیلا کبھی اس تہہ خانے میں نہیں جائے گا۔ جب میں نے اُسے کہا کہ اماں رات خواب میں آئی تھی اور اس نے کہا تھا کہ میرے تابوت میں پانی آگیا ہے تو بڑھا جے چین ہو گیا۔“

پھر وہ قہقہہ لگا کر ہنس اور بولا۔

”آج رات ان دونوں کی زندگی کی آخری رات ہوگی۔“

خادم نے کہا۔

”مگر ہنری تہہ خانے کے پتھریلے دروازے کی کل کا تہیں علم

ہے ناں؟“

”میں ایسا بچہ نہیں ہوں۔ جب بوڑھا جارج تہہ خانے کا دروازہ

کھولے گا تو میں دیکھ رہا ہوں گا۔ میرے جال سے یہ لوگ

اب بچ کر نہیں جا سکتے۔ کل ان دونوں کی لاشیں تہہ خانے میں

پڑی ہوں گی اور میں جارج کی کمرڈروں روپے کی جائیداد کا

اکیلا مالک ہوں گا۔“

”مکلاہ خادمہ نے کہا۔

”اور میں؟“

ہنری نے اسکی طرف تیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

”ہاں ہاں اور تم بھی میرے ساتھ ہوگی، فکر نہ کرو۔“

دوپہر کے بعد غبر سے بوڑھے جارج نے اپنی بہن کے تہہ خانے

والے تابوت کی بات کی اور کہا کہ وہ تہہ خانے میں اُس کے

ساتھ جائے۔

”میری مرحومہ بہن کے تابوت میں پانی آگیا ہے غبر! میں تابوت

کو اٹھا کر پتھر کے چوترے پر رکھنا چاہتا ہوں تاکہ اُسے اس

اذیت سے نجات ملے۔“

عنبر کا ماتھا ٹھنکا۔ اُسے اس بات کی تہہ میں کوئی گہری سازش نظر آرہی تھی۔ اُس نے بوڑھے جارج کو تہہ خانے میں جانے سے روکا مگر بوڑھا جارج کسی طرح راضی نہ ہوا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے عنبر کہ میری بہن کی میت پانی اور سردی میں ٹھٹھری رہے اور میں خاموشی سے یہاں بیٹھا رہوں۔ میں ضرور جاؤں گا۔ اگر تم میرے ساتھ نہ بھی گئے تو میں اکیلا ہی چلا جاؤں گا۔“

عنبر نے کہا۔

”نہیں نہیں! میں آپ کو اکیلا نہیں جانے دوں گا۔ اگر آپ صند کمرے میں ہیں تو پھر میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔“

چنانچہ شام سے کچھ دیر پہلے بوڑھے جارج نے عنبر کو ساتھ لیا اور شہر سے باہر گرجے کے کھنڈروں میں پہنچ گئے یہ جگہ بڑی ویران اور ڈراؤنی تھی۔ درختوں نے جگہ جگہ جھنڈ بنا رکھے تھے۔ جنگلی جھاڑیوں نے گر جا گھر کی بوسیدہ کھڑکیوں اور دروازوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ جارج کو اپنے ساتھ لے کر عنبر کو ایک چھوٹے سے بٹے کے سائے میں آگیا۔

”عنبرا یہ ہمارے آباؤ اجداد کا قبرستان ہے۔“

عنبر نے دیکھا کہ وہاں کئی ایک پرانی قبروں کے نشان بکھرے ہوئے تھے۔ قبریں ڈھے چکی تھیں۔ اُن کے پتھر یلے کتے گرے ہوئے تھے

”وہ تہہ خانہ کہاں ہے انکل جارج؟“ عنبر نے پوچھا۔

”ابھی بتاتا ہوں۔“

بوڑھا جارج عنبر کو ایک پتھر کی دیوار کے پاس لے گیا۔

”اس دیوار کو دیکھتے ہو؟ یہ دروازہ ہے نیچے تہہ خانے میں

جانے کا۔ اسے ایک خفیہ کل کے ذریعے کھولا جاتا ہے۔ اس خفیہ

کل کا میرے سوائے اور کسی کو علم نہیں ہے۔“

عنبر خاموشی سے بوڑھے جارج کی باتیں سن رہا تھا۔ اُس

نے اُس قسم کے بہت سے تہہ خانے دیکھے تھے۔ جارج نے ایک

جگہ سے دیوار پر اُگی ہوئی مچاڑیوں کو پرے ہٹایا۔ وہاں ایک

خانہ سا بنا ہوا تھا۔ اس خانے کے اندر ایک لوہے کی ہتھی لگی تھی۔

بوڑھے جارج نے ہتھی کو زور سے نیچے کھینچا۔ ہتھی کے نیچے ہوتے

ہی ہلکی سی آواز پیدا ہوئی اور پھر پتھر کی دیوار میں سے الگ ہو

گئی۔ وہاں اتنا راستہ بن گیا کہ ایک آدمی بڑے آرام سے گزر سکتا تھا۔

”یہ راستہ نیچے تہہ خانے کو جاتا ہے جہاں میری پیاری بہن

کا تابوت ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔“

بوڑھے جارج نے موم بتی جلا کر ہاتھ میں پکڑ لی اور سیڑھیاں اترے

لگا۔ سیڑھیاں پتھر کی تختیوں اور ان پر کافی جھج تھیں۔ عنبر بوڑھے جارج

کے ساتھ نیچے اتر گیا۔ تہہ خانے کی فضا میں نمی اور سیل کی تیز بو تھی۔

ایسے گلتا تھا جیسے یہاں کئی سالوں سے کبھی کوئی انسان نہیں آیا۔

میڑھیاں اُترے تو فرش آگیا۔ فرش پر موم بتی کی روشنی میں کچھ تابوت دیوار کے ساتھ لگے ہوئے نظر آئے۔ بوڑھے جارج نے کہا۔

”ان تابوتوں میں ہمارے بزرگوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ ان میں میری مرحومہ بہن کا تابوت بھی ہے۔ دیکھو!

ہنری ٹھیک کہتا تھا۔ فرش پر پانی آیا ہوا ہے۔“

عنبر نے محسوس کیا کہ فرش پر پانی تھا۔ اُس کے جوتے پانی میں

بھیک رہے تھے۔

”انکل! بہن کا تابوت کہاں ہے؟“

بوڑھا جارج موم بتی کے کمرے کے اُسکی روشنی میں تابوت پر لکھی ہوئی تحریریں پڑھنے لگا۔

”یہ ہے میری بہن کا تابوت۔“

عنبر نے دیکھا کہ اُس تابوت پر انگریزی زبان میں بوڑھے جارج

کی بہن کا نام رسن پیدا آتش اور رسن وفات لکھا تھا۔ قریب ہی ایک پتھر کا چوترا تھا۔

”عنبر! یہیں تابوت کو اٹھا کر اس چوترے پر رکھنا ہے۔“

عنبر نے ساتھ مل کر تابوت اٹھایا۔ تابوت بھاری تھا۔ انہوں

نے تابوت چوترے پر رکھ دیا۔ میڑھیوں کے اوپر پتھر کا دروازہ

ویسے ہی محوڑا سا کھلا تھا اور اس میں سے شام کی ہلکی روشنی

میڑھیوں پر پڑ رہی تھی۔ بوڑھے جارج نے دعا پڑی اور کہا۔

”عنبر! ادھر آؤ۔ اس کونے میں۔ تمہیں اپنے خاندان کا خزانہ دکھاؤں۔“
 جارج نے کونے میں پڑے ہوئے لوہے کے ایک صندوق کا
 ڈھکنا اٹھانے کی کوشش کی مگر ڈھکنا بہت بھاری تھا۔ عنبر کی
 مدد سے ڈھکنا اٹھایا گیا تو صندوق سونے کے زیورات اور جواہرات
 سے بھرا ہوا تھا۔ عنبر اس طرح کے بہت سے خزانے دیکھ چکا تھا۔
 اُس کے لیے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں تھی مگر بوڑھا جارج بہت
 خوش ہو رہا تھا۔

”یہ کرداروں کا خزانہ ہے عنبر! اس خزانے کو حاصل کرنے
 کے لیے میرے بھتیجے اور رشتہ داروں نے مجھے کئی بار قتل کرنے کی
 سازش کی مگر ناکام رہے۔ اس خزانے کا مالک میں ہوں۔
 میرے بھتیجوں کو اس میں سے کچھ نہیں مل سکتا۔ میری وصیت میں
 اُن کے لیے صرف شہر کے مکان لکھے ہیں۔“ جارج مسکرایا۔
 عنبر نے کہا۔

”میرا خیال ہے، اب ہمیں یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے۔“
 جارج نے کہا۔

”اے تم خوف زدہ ہو رہے ہو؟ برخوردار! یہ تو ہمارا خاندانی
 قبرستان ہے۔ یہاں سب میرے بزرگ سو رہے ہیں۔“
 بوڑھا جارج جواہرات اور زیورات کو موم بتی کی روشنی میں
 بار بار دیکھ رہا تھا اور عنبر کی نگاہ بیڑھیوں کے اوپر ذرا سے کھلے

پتھر کے دروازے کی طرف تھی۔ اُسے احساس تھا کہ کوئی سازش ہو رہی ہے۔ یہ لوگ تہہ خانے میں تھے اور باہر ہنری اور گرٹیٹا خادمہ جھاڑیوں سے نکل کر تہہ خانے کے دروازے پر آگئے تھے۔ انہوں نے جھپٹ کر بوڑھے جارج اور عنبر کو تہہ خانے میں جاتے اور خفیہ جگہ سے ہتھی نیچے کرتے دیکھ لیا تھا۔ یوں اُسے تہہ خانے کے کھلنے اور بند ہونے کا راز معلوم ہو گیا تھا۔ اُس نے خادمہ گرٹیٹا سے کہا۔

”تم اسی جگہ میں انتظار کرو۔ وقت آگیا ہے کہ ان دونوں کو تہہ خانے میں اذیت ناک موت مرنے کے لیے بند کر دیا جائے۔“
 ہنری جھاڑیوں میں سے نکل کر تہہ خانے کے دروازے کے پاس آیا۔ اُس نے آتے ہی ایک منٹ بھی ٹھہرے بغیر خانے میں ہاتھ ڈال کر ہتھی کو اوپر کھینچ دیا۔ تہہ خانے میں جارج خزانے کے زیورات دکھا رہا تھا کہ اچانک دروازہ آہستہ آہستہ بند ہونا شروع ہو گیا۔ عنبر کو پہلے ہی خطرہ تھا۔ اُس نے جو دروازہ بند ہوتے دیکھا تو لپک کر سیڑھیوں پر آیا۔ بھاگتا ہوا اوپر چڑھا مگر اس کے اوپر آتے آتے پتھر کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اُسے باہر ہنری کے قبضہ کی آواز سنائی دی۔

”اب تم لوگ قیامت کے روز تک اسی تہہ خانے میں رہو گے۔“
 مہاری لاشیں اس تہہ خانے میں گل سڑ جائیں گی۔“

بوڑھے جارج نے دروازہ بند ہوتے دیکھا تو چکر اکر رہ گیا۔
 ”عنبر! بھری نے دھوکا دے دیا ہمیں۔ اب کیا ہوگا؟“
 عنبر نے کہا۔

میں نے آپ کو یہاں آنے سے کئی بار روکا تھا۔ مگر آپ پر میری
 باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔

بوڑھا جارج پریشانی سے بولا۔

”اب کیا ہوگا عنبر! کیا ہم تہہ خانے میں ہی مرجائیں گے؟“
 میں دروازہ کھولنے کی کوشش کرتا ہوں۔

عنبر نے بہت زور لگایا مگر تہہ خانے کا دروازہ تو پتھر کی دیوار
 تھی۔ جیسے پہاڑ سامنے کھڑا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ ہلی۔
 عنبر نے دو تین بار اپنی پوری طاقت جمع کر کے پاؤں سے پٹھو کر
 ماری مگر دیوار پر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔ وہ سر جھکا کر میٹھیوں
 پر بیٹھ گیا۔

”معلوم ہوتا ہے اب ہم یہاں سے نہیں نکل سکیں گے۔“

بوڑھا جارج نڈھال سا ہو کر ایک تابوت پر بیٹھ گیا۔

خوف اور دہشت سے اُس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ کیونکہ اُسے
 معلوم تھا کہ اس خاندانی تہہ خانے سے باہر نکلنے کا اب کوئی
 راستہ نہیں ہے۔ زندگی میں کبھی اتنا نا اُمید نہیں ہوا تھا۔
 اُس نے عنبر سے کہا کہ وہ دروازے کو کھولنے کی کوشش نہ کرے،

کیونکہ یہ دروازہ دنیا کا طاقت ور ترین انسان بھی نہیں کھول
سکتا۔ یہ پہاڑ کی دیوار ہے۔
آداب ہم بہادروں کی طرح موت کو اپنے سینے
سے لگالیں عنبر! ”

قاتل گدھ

بہتری اور مکار خادمہ بڑے خوش خوش گھر واپس آگئے۔
 انہیں بوڑھے جارج اور عنبر کی موت کا پکا یقین تھا۔ اور
 یقین کرنے والی بات بھی تھی۔ اگر کسی شخص کو ایک تہہ خانے میں بھوکا
 پیاسا بند کر دیا جائے تو وہ کتنے دن زندہ رہ سکتا ہے ؟ جارج تو بوڑھا
 تھا۔ بہتری کو یہ خبر نہیں تھی کہ عنبر نہیں مر سکتا۔ عنبر کو یہ فکر تھا کہ
 بوڑھا جارج یقیناً دو ایک دن کے بعد مرجائے گا۔ وہ اُسے نہیں مرنے
 دینا چاہتا تھا۔ مگر وہ کمر بھی کیا سکتا تھا۔ پتھر کا دروازہ کھولنا
 اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ بوڑھا جارج تابوت پر لیٹ گیا۔
 سردی اور مٹی کی وجہ سے اُس پر نیم بے ہوش طاری ہو رہی تھی۔
 موسمِ بقی آخری دُموں پر تھی۔

عنبر نے ایک بار پھر دروازے کو زور لگا کر کھولنے کی کوشش
 کی مگر نام رہا۔ تہہ خانے میں تلاش کرتے کرتے اُسے لہجے کی
 ایک مضبوط سی سلاخ مل گئی۔ عنبر نے پتھر کے دروازے کے ایک
 طرف سوراخ کرنا شروع کر دیا۔ کافی دیر محنت کرنے کے بعد وہ
 ہتھوڑا سا سوراخ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ باہر سے ہلکی ٹھنڈی
 ہوا اندر آنے لگی۔ مگر جارج صرف ہوا پر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔

اُسے کھانے پینے کو بھی کچھ چاہیے تھا جو وہاں نہیں مل سکتا تھا۔
 سونے کے زیورات اور جواہرات اس کا پیٹ نہیں بھر سکتے تھے۔
 ادھر اب ناگ کی بھی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے؟
 ناگ اُسی شام منبر اور ماریا کی تلاش میں پھرتا پھرتا شہر کے
 اُس حصے میں آگیا جہاں ہنری کا مکان تھا۔ اس وقت ہنری
 باہر گیا ہوا تھا۔ مکان پر صوفی خادمہ تھی۔ ناگ مکان کے قریب
 سے گزرا تو اُسے پچاس محسوس ہوئی۔ سوچا اس مکان سے شاید
 پینے کو پانی مل جائے۔ پس نے دروازے پر دستک دی۔ کھڑکی کے
 پردے کو ہٹا کر خادمہ نے دیکھا۔

”کون ہو؟“

ناگ نے کہا۔

”ہنری پیاس لگی ہے، پانی مل جائے گا؟“
 خادمہ نے کہا۔

یہاں پانی نہیں ہے، جاؤ سامنے سرائے میں جا کر پی لو۔
 ناگ کو بڑا افسوس ہوا کہ یہ کیسی عورت ہے کہ پیاسے کو
 پانی بھی نہیں دیتی۔ بہر حال ناگ آگے چل دیا۔ تھوڑی دور جا کر اُسے
 شرک کے کونے پر ایک سرائے نظر آئی۔ اس نے کھڑکی میں سے
 جھانک کر دیکھا۔ اندر دو چار آدمی بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ ناگ
 بھی اندر آ کر ایک میز پر بیٹھ گیا۔ نوکر نے پوچھا۔

”کیا چاہیے؟“

ناگ نے کہا۔

”پانی“

نؤکر نے کہا۔

”یہاں پانی نہیں ہے، سوڈا واٹر ہے۔“

”تو پھر سوڈا واٹر ہی لا دو۔“

نؤکر نے سوڈے کی بوتل لا کر رکھ دی۔ ناگ کھارے سوڈا پینے لگا۔ اتفاق کی مانند یہ ہوتی کہ ہنری بھی اپنے دو بد معاش دوستوں کے ساتھ وہیں تقریبی میز پر بیٹھا تھا۔ وہ اپنے چچا کو ہلاک کرنے کے بعد پوری جائیداد کا مالک بن رہا تھا، چنانچہ اپنے بد معاش دوستوں کے ساتھ بیٹھا دعوت اڑا رہا تھا۔ اُس نے ناگ کو خالی سوڈا واٹر پیتے دیکھا تو حلق سے کہا۔

”کیوں میاں! بیمار ہو کیا؟“

ناگ خاموش رہا۔ ہنری نے پھر کہا۔

”باہر سے آئے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔“

اس کا بد معاش دوست بولا۔

”یہ تو ہندوستانی کالا آدمی ہے۔“

ناگ اب بھی خاموش رہا۔ وہ خواہ مخواہ کسی سے نہیں الجھنا

چاہتا تھا۔ اتنے میں ہنری نے اپنی پلیٹ میں سے ایک بڑی اٹھا

کرناگ کی طرف پھینکی ۔

”لو اسے کھا لو پتو۔“

ناگ کو غصہ تو بہت آیا مگر وہ پی گیا ۔ ہنری اور اس کے دوست اٹھ کر ناگ کے پاس آگئے ۔ اور اُسے فضول تنگ کرنے لگے ۔ ناگ نے کہا ۔

”بھائیو ! میں یہاں پر دیسی ہوں ۔ آپ سے لڑائی کرنا نہیں چاہتا ۔ اس لیے مجھے تنگ نہ کرو۔“

ہنری نے کہا ۔
”لڑائی کر کے بھی تم کہا کر لو گے ؟“

اور دوسرے بد معاش نے دوسرے سے ایک مٹکا ناگ کے منہ پر مار دیا ۔ ناگ کڑسی سے نیچے گھر پڑا ۔ اس کی بڑی توہین تھی ۔ سرائے کا مالک بھی بد معاشوں کے ساتھ مل کر قہقہے لگانے لگا ۔ ناگ نے زمین پر سے اٹھتے ہوئے کہا ۔

”میں پھر بھی آپ لوگوں کو کچھ نہیں کہوں گا ۔ بہتر ہے کہ آپ اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ جائیں ۔“

ہنری کے بد معاش دوست نے قہقہہ لگا کر کہا ۔

”دیکھو ہمیں تہذیب سکھا رہا ہے ۔“

دوسرا بد معاش بولا ۔

”اے اٹھا کر لے چلو ۔ آج اسکی دعوت اڑاتے ہیں ۔“

دونوں بد معاشوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ناگ کے سر پہ تابڑ توڑ
چھ سات ایسے زبردست مکتے مارے کہ ناگ بے ہوش ہو گیا۔ انہوں
نے ناگ کو اٹھایا اور ہنری کے گھر لے آئے اور ایک کمرے میں
پھینک دیا۔

”یار اس کا لے ہندوستانی کا کیا کریں گے۔ خواجواہ اسے
یہاں لے آئے۔“

ہنری نے کہا۔
”آجکل ڈاکٹر لوگوں کے لاشوں کی بڑی ضرورت ہوتی ہے، کسی
گورے ڈاکٹر کو دے دیں گے، وہ اس پر تجربے کرے۔“
ایک بد معاش خوش ہو کر بولا۔

”بڑا اچھا خیال ہے۔ اس لاش کے ٹکڑے ہمیں روپے بھی ملیں گے۔“
”ٹھیک ہے، چلو اسے ہلاک کر دیتے ہیں۔“

وہ ناگ کی کوٹھڑی کی طرف بڑھے۔ ادھر ناگ کو ہوش آیا
تو اپنے آپ کو ایک گندی سی اندھیری کوٹھڑی میں پایا۔ اپنے
سر کو دونوں ہاتھوں سے دبائے لگا۔ اُس نے دیکھا بد آمدے میں
وہی لوگ آ رہے تھے۔ ایک بد معاش کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ ناگ
سمجھ گیا کہ یہ لوگ اُسے قتل کرنے کے ارادے سے آ رہے ہیں۔
اب وہ ان کا لحاظ نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے گہرا
سانس لیا اور انسان سے ایک ننھی سی جڑیا بن کر کوٹھڑی کی

دیوار پر بیٹھ گیا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور ان کا کس خونی گروہ سے تعلق ہے۔ ہنری اور دونوں بد معاشوں نے جب اندر آکر دیکھا کہ ناگ غائب ہے تو بڑے حیران ہوئے۔ ہنری قہقہہ لگا کر بولا۔

”کالا ہندو تنی بھاگ گیا۔“

اس کے بعد وہ ناش کھینٹے لگ گئے۔ کچھ دیر بعد دونوں بد معاش جنہوں نے ناگ کو بہت مارا تھا اٹھے اور اجازت لے کر اپنے اپنے گھروں کو جا چکے۔ یسے باہر آ گئے۔ رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ناگ نے سانپ کا روپ بدلایا اور مکان کے باہر آکر ایک کھیت کے کنارے جھاڑیوں میں چھپ کر ان کا انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں دونوں بد معاش جھومتے جھومتے ہنس ہنس کر باہر آ گئے۔ جب وہ ناگ کے پاس سے ہو کر گزرنے لگے تو ناگ پھن اٹھا کر باہر نکل آیا۔ اُس نے پلک جھپکتے میں ایک بد معاش کو ڈس لیا۔ دوسرا گھبرا کر بھاگا۔ مگر بھاگ کر کہاں جا سکتا تھا ناگ نے اُسے بھی راستے میں پکڑ لیا اور ڈس کر ہلاک کر دیا۔

ناگ اب واپس اُس گھر میں آ گیا۔ وہ ہنری سے بھی بدلہ لینا چاہتا تھا۔ جب وہ ڈیوڑھی سے گزر کر کمرے کے ایک کونے میں آیا تو اس نے ہنری کو اپنی خادمہ سے باتیں کرتے سنا۔ دس کل رات تک تہہ خانے میں دونوں مرچکے ہوں گے۔

اس کے بعد میں مشہور کر دوں گا کہ انکل جارج ایک مہم پر افریقہ چلے گئے ہیں۔ جب وہ کافی عرصہ تک واپس نہیں آئیں گے تو میں اخبار میں خبر چھپوا دوں گا کہ افریقہ میں انہیں شیر کھا گیا ہے اور بس پھر ساری جائیداد میری ہوگی۔ ہا ہا ہا۔“
خادم نے کہا۔

”اور عنبر بھی تو ساتھ مرچکا ہو گا۔“
”کیوں نہیں معلوم بھی تہہ خانے میں ختم ہو جائے گا۔“
عنبر کا نام سنتے ہی لوگ چونک اٹھا۔ تو کیا عنبر کو ان لوگوں نے کسی تہہ خانے میں قید کر رکھا ہے؟ ناگ کا چہرہ خوشی سے جھوم اٹھا۔ اُس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ عنبر کا سراغ مل گیا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ لوگ عنبر کو قید کر رکھے ہیں مگر ہلاک نہیں کر سکتے۔ عنبر کو ان لوگوں کا باپ بھی ہلاک نہیں کر سکتا تھا۔ اب یہ معلوم کرنا تھا کہ عنبر کو ان لوگوں نے کس تہہ خانے میں قید کر رکھا ہے؟ ناگ اُن کی باتیں غور سے سننے لگا، لیکن ان کی گفتگو سے یہ بالکل نہ معلوم ہو سکا کہ عنبر کہاں قید ہے۔ اتنا اسے ضرور پتہ چل گیا کہ عنبر کے ساتھ سنہری کاچا جارج بھی قید ہے۔ ان دونوں نے اُسکی جائیداد پر قبضہ کرنے کے لیے اُسے تہہ خانے میں مرنے کے لیے پھینک رکھا ہے۔ مگر تہہ خانہ کہاں تھا۔
اس کا سراغ ناگ نے لگا نا تھا۔ اُس نے اُسی گھر میں رہنے

کا فیصلہ کر لیا۔ رات گزر گئی۔ دوسرے روز ہنری نے خادمہ سے کہا۔
 ”میرا خیال ہے ابھی ہمیں ایک دن اور انتظار کرنا ہوگا۔ کل
 شام تک وہ دولوں تہہ خانے میں مرچکے ہوں گے۔“
 ”ٹھیک ہے، ہم کل شام تہہ خانے میں اُن کی لاشیں دیکھنے
 چلیں گے۔“

”اچھا اب میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔ تم پیچھے خیال سے رہنا۔“
 ”فکر نہ کرو ہنری! میں بہت ہوشیار عورت ہوں۔“
 ”یہ تو مجھے معلوم ہے۔“

ہنری چلا گیا۔ ناگ کو فنی میں الماری کے پیچھے چھپا رہا۔ اُس نے
 سوچا عنبر تو ظاہر ہے، تہہ خانے میں نہیں مر سکتا۔ لیکن جو اس کے ساتھ
 قید ہے، وہ ضرور بھوکا پیاسا مر جائے گا۔ خدا جانے عنبر کے ساتھ
 کون شریف انسان قید تھا۔ اگر وہ اس بد ملکیش کا چچا ہے تو
 وہ بوڑھا آدمی ہے۔ وہ تو ضرور مر جائے گا۔ اُسے بچانا ناگ کا
 فرض تھا۔ چنانچہ ناگ نے فیصلہ کر لیا کہ تہہ خانے کا پتہ چلانا چاہیے۔
 ظاہر تھا کہ تہہ خانہ کہیں قریب ہی ہوگا۔ ناگ باہر نکل آیا اور
 مکان کے پچھواڑے والے اجاڑ علاقے میں پھرنے لگا۔ ناگ کو عنبر
 کی خوشبو بڑی دُور سے آجایا کرتی تھی۔

پھرتے پھرتے وہ سانپ ہی کی شکل میں پرانے گرجے کے
 قریب پہنچا تو اُسے اچانک عنبر کی خوشبو محسوس ہوئی۔ وہ ایک دم

سے ہوشیار ہو گیا اور اس خوشبو کے پیچھے چل پڑا۔ یہاں تک کہ
تہہ خانے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اُس نے محسوس کیا کہ ایک
سوراخ میں سے عنبر کی خوشبو بڑی تیز آ رہی تھی۔ ناگ سوراخ
میں سے اندر داخل ہو گیا۔

ادھر بڑھا جارج بالکل بے ہوش ہو کر تابوت پر پڑا تھا
اور عنبر سر جھکا کر اُس کے قریب بیٹھا غور کر رہا تھا کہ اُسے
جارج کی جان بچانے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ اچانک اُسے
سانپ کے پھینکانے کی آواز سنی۔ اندھیرے میں ناگ نے عنبر
کو دیکھ لیا تھا۔ ناگ نے فوراً انسان کی شکل بدلی اور عنبر کے
کے سامنے آ گیا۔ دونوں بچپڑے ہوئے دوست لپک کر ایک دوسرے
کے گلے ملے۔ ماریا کا ایک دوسرے سے پوچھا۔ ناگ نے کہا۔
”ماریا بھی ایک نہ ایک روز مزد مل جائے گی مگر سب
سے پہلے تو تم لوگوں کا باہر نکلنا بہت ضروری ہے۔“

عنبر نے کہا۔ ”اب جبکہ تمہیں سارے حالات کا علم ہو چکا
ہے تو ایسا کرو کہ اس دروازے سے باہر نکل کر دروازے کے
ساتھ ہی بنے ہوئے خانے میں ہاتھ ڈال کر لوہے کی پتھی
نیچے گرا دو۔ دروازہ خود بخود کھل جائے گا۔“

ناگ سانپ بن کر سوراخ میں سے باہر نکل گیا۔ باہر جا
کر وہ پھر انسان کی شکل میں آ گیا۔ اُس نے دیکھا کہ ذرا ادھر

دیوار میں ایک خانہ بنا ہے جس میں لوہے کی ایک ہتھی چھپی ہوئی ہے۔ ناگ نے جلدی سے ہتھی کو نیچے گرا دیا۔ ہتھی کا نیچے گرنا تھا کہ پتھر کا دروازہ کھل گیا۔ ناگ اندر آ گیا۔ دونوں نے مل کر بوڑھے جارح کو باہر کھلی ہوا میں نکالا۔ تازہ ہوا لگنے سے جارح نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

”کیا میں زندہ ہوں کہ جنت میں آ گیا ہوں؟“

عنبز نے کہا۔ ”انکل جارح آپ زندہ ہیں اور ہم آپ کو گھر لے جا رہے ہیں۔“

گھر لے جا کر بوڑھے جارح کو بستر پر لٹا دیا گیا۔ اُسے کھانے پینے کو نرم دلیا اور چائے ڈالی گئی۔ کچھ کھا کر جارح کو ہوش آیا۔ عنبز نے ناگ کا تعارف کروایا۔

”یہ میرا بھائی ناگ ہے جسکی تلاش میں میں یہاں آیا تھا۔“

جارح نے ناگ سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

”مگر مڑ ناگ تم تنہ خانے کے اندر کس طرح آ گئے؟“

عنبز نے جلدی سے کہا

”کسی طرح اس نے دیوار میں چھپی ہوئی ہتھی کا پتہ چلا

لیا تھا انکل“

”ہوں ٹھیک ہے۔ مگر اس جگہ کا پتہ چلانا آسان نہیں ہے

بدبخت ہنری تو چھپ کر ہمیں اندر جاتے دیکھ رہا تھا۔ تیرا!

اب میں اسکی خبر لوں گا۔ مگر میں کیا کر سکتا ہوں۔ بوڑھا ہو چکا ہوں۔ ممکن ہے اُسے پتہ چلے کہ میں زندہ ہوں تو یہاں آکر مجھے ہلاک کر دے۔

عہتر نے کہا۔

”انکل جارج! بے فکر رہیں۔ اب وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہاں اگر آپ کہیں تو ہم اُس سے بدلہ لے سکتے ہیں اور اُسے قتل کر سکتے ہیں۔“

بوڑھے جارج نے غصیلی آواز سے کہا۔

”اس حرام خور کو ختم کر دو۔ اور اس کمینی مکار گویا کو بھی۔ وہ بھی میرے قتل کی سازش میں شریک تھی۔“

”ایسا ہی ہوگا انکل! آپ پر یقین نہ ہوں۔ میں اُسے یہاں بلاؤں گا اور آپ کی آنکھوں کے سامنے اس کا حشر کروں گا۔“

بوڑھے جارج نے کہا۔

”نہیں! ان دونوں کو اُسی تہہ خانے میں بند کر کے ہلاک کر دو۔ تاکہ ان کی لاشیں میرے بزرگوں کی لاشوں کے قدموں میں ہمیشہ پڑی رہیں۔“

”ٹھیک ہے انکل!“

عہتر ناگ کو لے کر ہنری کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہنری گھر آگیا تھا اور کھانا کھا رہا تھا۔ کھانے کے بعد خادمہ لے کہا۔

”کافی لاؤں؟“

”ہاں لے آؤ۔“

پھر اچانک کمرے میں ناگ انسان کی شکل میں آگیا۔ ہنری نے کہا۔

”تم پھر آگئے کالے ہندوستانی! اب میں تمہیں زندہ نہیں

چھوڑوں گا۔ تمہاری وجہ سے میرے دو دوست سانپ کے ڈسنے سے

مر گئے ہیں۔ میں ان کی جان کا بدلہ تم سے لوں گا۔“

اور ہنری نے خنجر نکال لیا۔ عینر بھی کمرے میں آگیا۔

عینر کو دیکھ کر ہنری کے ہاتھ سے خنجر پڑا۔

”تم! تم زندہ ہو؟“

عینر نے بڑے اطمینان سے کہا۔

”صرف میں ہی نہیں بلکہ انکل جارج بھی زندہ ہے اور اپنے

گرم گرم بستر میں کافی پی کر آرام کر رہا ہے۔ اب تمہاری باری

ہے۔ ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ ہنری نے گجراہٹ سے کہا۔

عینر بولا۔

”مطلب یہ کہ ہمارے ساتھ ذرا تہہ خانے تک چلو۔ ہم تمہیں

اپنے ہاتھوں سے وہ بے بہا خزانہ دینا چاہتے ہیں جس کے لئے
تم نے انکل جارج اور مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔“
”بکو اس نہ کرو۔ میں تم دونوں کو برباد کر دوں گا۔“

اور ہنری نے لمبا پستول نکال کر عنبر کی طرف تان دیا۔
مکار خادمہ نے بھی ان کی گفتگو سن لی تھی عنبر کو دیکھ کر اور
جارج کے زندہ بچ نکلنے کا سن کر اُس کے پاؤں تلے سے
بھی زمین ٹک گئی تھی۔ اس نے جلدی سے ایک سلاح اٹھائی
اور پیچھے سے آکر عنبر کے سر پر دے ماری۔ سلاح لوٹ کر گر پڑی
عنبر اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اس نے ناگ سے کہا۔

”ناگ! ذرا اس عورت کو سنبھالنا۔ میں ہنری صاحب کی
خبر لیتا ہوں۔“

ناگ نے اُسی وقت غائب ہو کر کوئلہ دار شیر کی شکل اختیار
کر لی۔ وہ زور سے دھاڑا اور اس نے خادمہ کو پہنچوں میں اس
طرح اٹھالیا کہ وہ زخمی نہ ہو۔ خادمہ تو بے ہوش ہو گئی۔ ہنری
نے ناگ کو شیر بننے دیکھا تو اُس پر کپکپی طاری ہو گئی۔ پستول
اُس کے ہاتھ میں کانپنے لگا۔ اُس نے عنبر پر پستول چلا دیا۔
گولیاں عنبر کے جسم سے ٹکرا کر نیچے گر پڑیں۔ عنبر نے جھک کر
گولیاں اٹھائیں اور ہنری کی طرف بڑھا کر کہا۔

”انہیں اگر تم ایک ہزار مرتبہ بھی پستول میں بھر کر مجھ پر

پھلاؤ تو میرے جسم پر ایک خراش تک نہیں پڑے گی۔
 اتنے میں ناگ پھر سے انسان کی شکل میں آگیا۔ عنبر نے ناگ
 سے کہا۔

ناگ! ان دونوں کو تہہ خانے کی طرف لے چلیں؟
 ”میرا خیال ہے، خزانہ ان کے حوالے کر ہی دیں؟“
 ”ضرور ضرور“ ناگ نے حامی بھرتے ہوئے کہا۔
 عنبر نے پشیمانی اٹھا کر ہنری کی گردن پر رکھا اور کہا۔
 ”خاموشی سے تہہ خانے کی طرف چل پڑو۔ یاد رکھو اگر بھاگنے
 کی کوشش کی تو گولی تمہاری گردن سے گزر جائے گی۔“
 ناگ نے کہا۔

”بھڑو میں اس کے ہاتھ باندھ دیتا ہوں۔“
 ناگ نے رسی سے ہنری کے ہاتھ کس کے باندھ ڈالے۔
 مکار خادمہ کو ناگ نے کاندھے پر اٹھالیا اور تہہ خانے کی طرف
 چل دیے۔ تہہ خانے کی دیوار کے پاس آکر خادمہ کھڑی بھی
 ہوش آگیا تھا۔ ناگ نے اُسے اٹھا کر تہہ خانے کی سیڑھیوں
 پر پھینک دیا۔ مکار خادمہ لڑھکتی ہوئی تہہ خانے کے فرش پر
 تابوت کے پاس جا گری۔ ہنری فرار ہونے کی فکر میں تھا۔ دروازے
 کے قریب آکر اُس نے ایکدم سے بھٹکا لگایا اور بھاگ اٹھا۔
 نے ناگ کو اشارہ کیا۔ ناگ نے گہرا سانس لیا اور دونوں

ہاتھ پھیلاتے۔ وہ ایکدم سے گدھ کی شکل میں آکر اڑتا ہوا
ہنری کے سر پر پہنچ گیا۔ ہنری کھیتوں میں بھاگا جا رہا تھا۔
گدھ اُس کے سر پر آ گیا اور جھپٹا مار کر اُس کی گردن پر حملہ
کیا۔ ہنری نے پہلو بدل لیا۔ گدھ نے دوسری بار پھر حملہ کیا۔
اور اس کی گردن میں سے بڑی سی بوٹی اتار لی۔ ہنری کی گردن
سے خون جاری ہو گیا۔

گدھ اچھو جا کر ہوائی جہاز کی طرح ہنری کی طرف آیا اور
جھپٹا مار کر اُس کی آنکھ نکال کر لے گیا۔ ہنری کھیت میں گھر
پڑا۔ اُسکی آنکھ سے خون بہنے لگا۔ درد سے وہ کراہنے لگا۔ اب
عنبر بھی وہاں آ گیا تھا۔ گدھ غصے سے اُسکی دوسری آنکھ بھی نکال کر
اُسے بالکل اندھا کر دیا۔ ناگ نے پھر سے انسان کی شکل اختیار
کر لی۔ دونوں نے مکار قاتل کو اٹھایا۔ اسے تہ خانے کی سیڑھیوں
تک لائے اور اندر پھینک دیا۔ پھر انہوں نے ہتھی اٹھا کر
تہ خانے کا پتھر پلا دروازہ بند کر دیا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند
کر دیا۔

عنبر اور ناگ وہاں سے سیدھے بوڑھے جارج کے پاس
اور اُسے ہنری اور مکار خادمہ کے ٹھکانے لگا دینے کی خوشخبری
سنائی۔ بوڑھا جارج بڑا خوش ہوا۔
”میرے بچو! میں تم دونوں پر بہت راضی ہوا ہوں۔ تم نے

نہ صرف میری جان بچائی، بلکہ میرے دشمنوں کو بھی موت کی نیند سلا دیا۔ اب میری خواہش ہے کہ اپنی ساری جائیداد تم دونوں میں تقسیم کر دوں۔
ناگ نے کہا۔

”محترم! ہمیں دولت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسکا لالچ بھی نہیں، کیونکہ ہمارے پاس بے پناہ دولت ہے۔ اس زمین کے اندر آج تک جس قدر بھی دولت دفن ہے، اُس پر ہمارا قبضہ ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں آپکو یہ ساری دولت ابھی دکھا سکتا ہوں۔
جارج ہنس پڑا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ناگ اس سے مذاق کر رہا ہے۔
غبر نے کہا۔

”ویسے بھی چچا جارج ہمیں یہاں نہیں رکنا۔ ہم اپنی بہن کی تلاش میں ہیں۔ خدا جانے یہاں سے ہمیں کس ملک کو جانا پڑے۔ اس لیے ہماری خواہش ہے کہ آپ اپنی ساری دولت غریبوں اور یتیموں کے لیے وقف کر جائیں، تاکہ رہتی دنیا تک آپ کو اسکا ثواب پہنچتا رہے۔“
جارج بولا۔

اگر تم میری جائیداد کے حصے دار بننے پر راضی نہیں ہو تو پھر مجھے ایسا ہی کرنا پڑے گا۔ مجھے اپنی ساری جائیداد غریبوں اور محتاجوں کے لیے وقف کر دینی ہوگی۔

ناگ نے کہا۔

”اور یہ ایک بڑا نیک کام ہے انکل“

”بے شک! اس سے بڑھ کر اور نیک کام بھلا کیا ہو سکتا

ہے کہ انسان دوسرے انسان کی خدمت کرے۔“

اُسی روز عنبر اور ناگ وہاں سے رخصت ہو کر سرائے میں

آگئے جہاں ناگ ایک تاجر کی حیثیت سے رہ رہا تھا۔ رات گئے

تک وہ دو گھر ماریا کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ وہ

کہاں ہوگی؟ کس گھر میں ہوگی؟ کس ملک میں ہوگی؟ عنبر

نے کہا۔

”میرا دل کہتا ہے کہ ماریا اہل ملک میں نہیں ہے۔“

ناگ نے پوچھا۔

”پھر وہ کس ملک میں ہوگی؟ کوئی شخص اس سرائے ملے تو

ہم یہاں سے کوچ کریں۔“

”اسکا بھی پتہ چلا لیں گے۔“

عمر عورت بن گیا

شہر میں دس بارہ عورتیں اوپر تلے قتل ہو گئیں۔
 ہر دوسرے تیسرے روز رات کو کسی نہ کسی گلی کے کونے میں
 عورت کی لاش پڑی ملتی۔ اسکی گردن کٹی ہوتی اور کٹے ہوئے
 سر کی پیشانی پر "R" کا نشان چاقو سے کھدا ہوا ہوتا۔ ایکدم
 سے ہر اس پھیل گیا۔ پولیس چوکس ہو گئی کہ آخر یہ "R"
 کون ہے جو صرف عورتوں ہی کو اور وہ بھی جوان عورتوں کو رات
 کے وقت قتل کر جاتا ہے۔ عمر اور ناگنے بھی یہ دہشت ناک
 خبر سنی اور بڑے حیران ہوئے۔ راتوں کو گھوڑوں پر سوار ہو
 کر پولیس نے گشت لگانا شروع کر دیا۔ اس کے باوجود
 دوسرے تیسرے ایک عورت ضرور قتل ہو جاتی تھی۔

سردیوں کے دن تھے۔ شہر میں رات کو زبردست دھند
 پھیلی ہوتی تھی۔ تین چار گز کے فاصلے پر کچھ دکھائی نہ دیتا
 تھا۔ عورتوں نے گھروں سے نکلنا بند کر دیا۔ اب پولیس والوں
 کی لاشیں ملنا شروع ہو گئیں۔ قاتل کسی نہ کسی بازار یا گلی
 میں کسی پولیس والے پر حملہ کر کے اس کی گردن تن سے
 جدا کر دیتا اور پیشانی پر "R" کا لفظ کھود کر فرار ہو جاتا۔

۴۰

اس کے بعد پھر عورتوں کا قتل شروع ہو گیا۔ قاتل کسی عورت کے گھر میں گھس کر اُسے قتل کرتا اور لاش گلی میں پھینک جاتا۔ پولیس عاجز آگئی۔ ناگ نے عنبر سے کہا۔

» اس قاتل نے تو شہر میں ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اسے ہرزور ختم کرنا چاہیے۔ بے چارے پولیس والے بھی اس کا شکام سننے لگے ہیں۔«

عنبر نے کہا کہ

» معلوم ہوتا ہے بولنگ ول قاتل ہے۔ شاید ذہنی مریض ہے۔ کچھ بھی ہو میں تمہارے اس خیال سے اتفاق کرتا ہوں کہ اب اس کا زندہ رہنا انسانیت کے لیے حد خطرناک ہے۔ تو پھر کیا ارادہ ہے؟ اسکی تلاش میں نکلیں؟«

» مگر سب سے پہلے ہمیں پولیس والوں کو اپنی مدد پیش کرنی چاہیے۔ تاکہ پولیس ہماری کارروائی سے باخبر رہے۔ کہیں ایسا نہ ہونا کہ ہم دھوکے میں کسی دوسرے شخص کو قتل کر دیں۔«

چنانچہ ناگ اور عنبر پولیس والوں کے بڑے دفتر میں آگئے۔ موٹی ٹوند والا ہتھانیدار اُبے ہوتے آلوؤں پر ٹمک چھڑک کر کھڑا رہا تھا۔ اُس نے بے پروائی سے عنبر اور ناگ کی طرف دیکھا اور آلو منہ میں رکھ کر بولا۔

» کیا تمہارا بھی کوئی قتل ہو گیا ہے؟«

غبنر نے کہا۔

”میرا اپنا تو کوئی قتل نہیں ہو جناب لیکن شہر کے لوگ کوئی
غبنر نہیں ہیں۔ وہ بھی ہمارے اپنے ہی ہیں۔“
موٹے تھانیدار نے توند پوہا تھ پھرتے ہوئے ترچھی آنکھ
سے دیکھا۔

”تم لوگ کون ہو؟ کیا چاہتے ہو؟“

غبنر بولا۔

”جناب ہم امن پسند شہری ہیں اور ملک مہر کے رہنے والے
ہیں مگر لندن میں کاروبار کے سلسلے میں آباد ہیں۔ جب سے شہر
میں قتل کی وارداتوں کا سنا ہے، ہماری تشویش بڑھ گئی ہے۔“
تھانے دار نے کہا۔

”تو پھر تم کیا کہنے آتے ہو؟“

ناگ بولا۔

”جناب ہم اپنی خدمات پیش کرنے آئے ہیں۔“

تھانے دار ہنس پڑا۔ اس نے اپنے قریب بیٹھے سسپاہیوں
کو آنکھ ماری۔ گویا غبنر اور ناگ کا مذاق اڑا رہا ہو اور بولا۔
”کیا تم قاتل کو پکڑنے کا ارادہ رکھتے ہو؟“

”جی ہاں جناب“ غبنر نے کہا۔

تھانے دار نے کہا۔

”جس قاتل کو ہماری ماری پولیس ابھی تک نہیں پکڑ سکی، اُسے ایک عام شہری کیسے پکڑ سکو گے؟“
عنبر نے کہا۔

میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے جناب۔؟“
”کونسی ترکیب؟“ تھانے دار نے پوچھا۔
عنبر بولا۔

”میں عورت کا لباس پہن کر شہر کے گنجان علاقے میں قاتل کا انتظار کروں گا۔“

تھانے دار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔
”اور جب قاتل تمہیں عورت سمجھ کر تم پر حملہ آور ہو گا تو تم بڑے آرام سے قتل ہو جاؤ گے۔“
ناگ کے منہ سے نکل گیا۔

”نہیں جناب! عنبر قتل نہیں ہو سکتا۔“

”کیا مطلب؟“ تھانے دار نے حیرانی سے پوچھا۔ ”کیا یہ پتھر کا انسان ہے؟ کیا اس کے گوشت پر چاقو کا اثر نہیں ہوتا؟ جاؤ جاؤ میاں جا کر اپنا کاروبار کرو۔ تم لوگ کیوں اپنی جان مصیبت میں ڈال رہے ہو۔“

عنبر بولا۔

”جناب ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔“

تھانے دار نے انگلی اٹھا کر کہا۔

”میرا وقت ضائع نہ کرو اور یہاں سے چلے جاؤ، نہیں تو میں پولیس کے ذریعے تمہیں باہر نکال دوں گا۔“

عنبر اور ناگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ وہ تو بڑی امیدیں لے کر آئے تھے، لیکن اس موٹے تھانے دار نے تو انہیں سخت مایوس کیا تھا۔ ناچار وہاں سے واپس آگئے۔ ابھی وہ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ پیچھے سے کسی نے اُسے آواز دی۔

”مسٹر عنبر!“

عنبر اور ناگ رک گئے۔ ایک سیاہ سوٹ والا نوجوان آدمی ان کے پاس آکر رک گیا۔ عنبر نے اُسے پہچان لیا۔ یہ موٹے تھانیدار کے قریب ہی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

”مسٹر عنبر! میرا نام جیمز ہے۔ میں سرائے رساں ہوں۔ تمہاری ہمدردانہ باتوں نے مجھے بڑا متاثر کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں شہر والوں سے دلی ہمدردی ہے جو تم ان کی خاطر اپنی زندگی خطرے میں ڈال رہے ہو۔ کیا میں آپ دونوں حضرات کو چائے کی دعوت دے سکتا ہوں؟“

”ضرور۔ بلکہ چائے ہم آپ کو پلا میں گے مسٹر جیمز!“

”شکریہ میرا حق پہلے ہے۔“

رات کا اندھیرا شہر کے گلی کوچوں میں پھیل گیا تھا اور دھند

اتنی زیادہ تھی کہ تین چار گز آگے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ تینوں ایک گلی کے ریسٹوران میں داخل ہو گئے۔ یہاں لوگ بیٹھے بڑی خاموشی سے کافی چائے وغیرہ پی رہے تھے۔ جیمز بھی عین اوزناگ کے ساتھ کونے والی میز پر بیٹھ گیا۔ اُس نے چائے کا آرڈر دیا۔ ”مسٹر عنبر! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔؟“

عنبر نے اُسے بھی وہی کچھ بتایا کہ وہ دونوں بھائی ہیں اور ملک مصر سے تجارت کی غرض سے انگلستان آئے ہیں۔

”تم کس چیز کی تجارت کرتے ہو؟“

عنبر نے کہا۔

”ہم جڑی بوٹیوں کی تجارت کرتے ہیں۔“

”بہت خوب!“

لنکر نے چائے لاکر میز پر سجادی۔ جیمز نے چائے بنا کر ناگ اور عنبر کو پیش کی۔ چائے کی چکیاں لیتے ہوئے جیمز نے کہا۔

”قاتل بڑا ہوشیار ہے۔ اُسے لوگ قاتل کے نام سے پکارنے لگے ہیں۔ وہ بڑی مکاری سے کسی کونے سے نکل کر حملہ کرتا ہے۔ شاید وہ ہر شام ہی کسی جگہ بھیس بدل کر چھپ جاتا ہے۔ پھر سب رات کا اندھیرا دُھند میں مل کر فضا کو پُر اسرار بنا دیتا ہے تو وہ اپنے شکار کی تلاش میں مکاؤں کی دیواروں کے ساتھ

ساتھ آگے رہیگتا ہے۔ دوسرے اپنے شکار کی آواز سنتا ہے تو
 کونے میں چھپ جاتا ہے اور پھر اچانک حملہ کر کے کسی تیز
 دھار آ لے سے گردن اتار کر الگ کر دیتا ہے۔“
 ناگ نے کہا۔

”وہ گھروں سے بھی تو عورتوں کو ہلاک کر کے باہر پھینک
 دیتا ہے۔“

”ہاں! عورتوں کو وہ خاص طور پر اپنا نشانہ بناتا ہے۔ پولیس
 بدنام ہو رہی ہے۔ ہم لوگ بھی بدنام ہو رہے ہیں۔ مگر ہم کیا
 کریں۔ ہماری کوئی سکیم کامیاب نہیں ہو رہی۔ تمہاری تجویز مجھے
 پسند آتی ہے۔ اگر کوئی سراغ رساں یا پولیس کا آدمی عورت بن
 کر قاتل کو اپنی طرف آنے کی دعوت دے تو اُسے پکڑا جاسکتا
 ہے۔ مگر اس میں اس پولیس والے کی موت یقینی ہے۔ قاتل کو
 اگر کسی دوسرے سپاہی نے پکڑ بھی لیا تو وہ پہلے سپاہی کو یعنی جس
 نے عورت کا بھیس بدل رکھا ہوگا، ضرور قتل کر چکا ہوگا۔“
 جمن نے پوچھا۔

”تو پھر تمہارا کیا خیال ہے مشر جمنز! کہ ہمیں قاتل کو گرفتار
 کرنے کے لیے اور کیا کرنا چاہیے؟“

جمنز سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔
 ”میری سمجھ میں تو یہی ایک ترکیب آتی ہے کہ کوئی شخص اپنی

جان پر کھیل کر خوبصورت لڑکی کا بھڑکیلا لباس پہن کر رات کو شہر کے گلی کوچوں میں چلتا پھرے۔ ظاہر ہے، ایک نہ ایک روز قاتل کی نظر اُس پر پڑے گی۔ وہ اس پر حملہ آور ہوگا۔ پس وہ عورت یعنی وہ شخص جب سے پستول نکال کر قاتل پر حملہ کر دے۔ ناگ نے کہا۔

”مگر قاتل اس کا موقع ہی کب دے گا۔ وہ تو عورت پر تیغچے سے حملہ کرے گا اور اچانک حملہ کرے گا۔ ایسی صورت میں اُس شخص کی موت یقینی ہے۔“
جیمز بولا۔

”یہی بات تو مجھے پریشان کر رہی ہے۔ اس کا ہمارے پاس کوئی حل نہیں ہے۔ بہر حال زندگی کا خطرہ مول لینے والی بات ہے۔“
ناگ نے کہا۔

”اس کام کے لیے تو کوئی ایسا انسان ہونا چاہیے جس پر خنجر چاقو یا چھری بالکل اثر نہ کرتی ہو۔“
جیمز زور سے ہنس پڑا۔

”یہ کیوں کہ ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے تو آسمان سے کسی جن بھوت کو بلانا پڑے گا۔“

”ناگ نے جیمز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔
”ایسا آدمی تمہارے سامنے بیٹھا ہے مسٹر جیمز“

”کیا مطلب ہے؟“ جیمز نے تعجب سے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

”مطلب یہ ہے کہ غبر پر چاقو چھری گولی یا خنجر کے زخم کا

کوئی اثر نہیں ہوگا۔“

جیمز نے کہا۔

”تم نشے میں تو نہیں ہو مٹرناگ؟“

غبر نے کہا۔

مٹر جیمز! ناگ میرا بھائی سچ کہہ رہا ہے۔ وہ نشے میں ہرگز

نہیں۔ انسان کی بھلائی کے لیے ہمیں یہ راز تم پر ظاہر کرنا پڑ

گیا ہے، کیونکہ ہم اس قاتل کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں جو بے گناہ

عورتوں اور بچوں کا خون بہا رہا ہے۔“

جیمز نے در سے ہنس پڑا۔

”تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اگر تم پر گولی چلائی جائے، تمہیں

خنجر مارا جائے۔ تمہاری گردن میں چاقو گھونپا جائے تو تم مروجے

نہیں۔؟“

غبر نے آہستہ سے کہا۔

”مٹر جیمز! مرنے تو بڑے دُور کی بات ہے۔ میرے جسم میں نہ

گولی داخل ہو سکتی ہے اور نہ چاقو۔“

جیمز نے سر کھجلا کر کہا۔

”اگر آپ لوگ مجھ سے مذاق ہی کرنا چاہتے تھے تو مجھے پہلے کہہ دیا ہوتا کہ میں اس موضوع پر آپ سے کوئی بات نہ کروں۔ اچھا مجھے اجازت دیجیے خدا حافظ!“

جیمز اٹھ کر جانے لگا تو عنبر نے اُسے زبردستی کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

مسٹر جیمز! ہم بالکل مذاق نہیں کر رہے ہیں جو کچھ کہہ رہا ہوں، آپ سے حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو آزما سکتے ہیں۔“

”یعنی کس طرح سے؟“

”اس طرح سے کہ مجھ پر گولی چلائیں یا چاقو سے حملہ کریں۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”تو پھر آپ کو یقین کیسے آئے گا؟ یہ لیجئے میرا چاقو اور میری کلائی میں اسے داخل کر کے دکھا دیں۔“

جیمز کچھ نہیں سمجھ سکا تھا کہ اُس کے ساتھ کسی قسم کا مذاق ہو رہا ہے۔ عنبر نے جیب سے ایک تیز نوکدار چاقو نکال کر جیمز کے سامنے میز پر رکھ دیا۔

”چلیئے چاقو سے حملہ کریں۔“

جیمز نے چاقو ہاتھ میں پکڑ لیا اور ناگ کی طرف دیکھا۔ ناگ نے آہستہ سے کہا۔

”مسٹر جیمز! بالکل نہ ڈریں۔ چاقو عنبر کی کلائی میں داخل کرنے کی کوشش کریں۔“

جیمز نے چاقو کی نوک عنبر کی کلائی پر رکھ کر ذرا زور لگایا۔ چاقو نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ جیسے وہ کلائی نہ ہو پتھر ہو۔
”اور زور لگاؤ مسٹر جیمز“ عنبر نے کہا۔

جیمز نے اپنی ساری طاقت خرچ کر کے چاقو عنبر کی کلائی میں داخل کرنے کی کوشش کی مگر ایسا نہ ہو سکا۔ بلکہ اچانک چاقو ٹیڑھا ہو گیا۔ اب جیمز پھٹی پھٹی آنکھوں سے عنبر کو دیکھ رہا تھا۔

”یہ۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا تم کوئی جن بھوت ہو مسٹر عنبر؟“
عنبر نے مسکرا کر کہا۔

”نہیں جیمز! میں جن بھوت نہیں ہوں۔ تمہاری طرح کا انسان ہوں۔ گوشت پوست کا انسان۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں نے ایک خاص جڑی بوٹی کا ست گھول کر پی رکھا ہے۔ بس اُسی روز سے میرے جسم پر زخم نہیں لگا۔“

”کیا تم مجھے بھی وہ شربت گھول کر پلا سکتے ہو؟“
عنبر ہنس دیا۔

”افسوس مسٹر جیمز! وہ جڑی بوٹی اب میرے پاس نہیں ہے۔ بہر حال ہمیں اصل کام کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ تمہیں یقین آگیا ہے کہ مجھ پر قاتل کا حملہ کامیاب نہیں ہو گا۔ اور میں اُسے آسانی

سے گرفتار کر سکوں گا۔

جیمز نے میز پر خوشی سے مکا مار کر کہا۔

”کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ خدا کی قسم کمال ہو جائے گا۔ تم اس ملک کے ہیر و بن جاؤ گے۔ تمہیں آج ہی اس انسان دوست مہم کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔ میں تمہارے ساتھ ساتھ رہوں گا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پیچھے پیچھے ہوں گا۔“

ناگ نے کہا۔

”مگر جیمز! تمہیں بے حد محتاط رہنا پڑے گا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے تمہیں اپنی چھڑی کا نشانہ بنائے۔ اور پھر دُشمن میں تم زیادہ دُور سے دیکھ کر اپنا پچاؤ بھی نہیں کر سکو گے۔“

جیمز نے کہا۔

”میں بڑا ہوشیار رہوں گا۔“

سنہرے بولے۔

”دھڑیک ہے۔ پھر ہم آج رات ہی اپنے شکار کی تلاش میں نکلتے ہیں۔“

سنہرے نے ناگ سے کہا۔

”ناگ بھائی! تمہیں مسٹر جیمز کے ساتھ رہ کر ان کی خبر گیری کرنی ہوگی۔“

”بہتر ہے۔ میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔“

اُدھی رات کو منبر نے لڑکیوں کا لباس یعنی گون، فرائ، جرابیں اور سر پر گول ہیٹ رکھا۔ ہاتھ میں رنگدار چھتری پکڑی۔ گردن پر مصنوعی بالوں کی لٹیں بکھرائیں اور ناگ اور جیمز کے ساتھ گھر سے نکل پڑا۔ وہ شہر کے اُس علاقے میں آگئے جہاں ان دلوں قاتل کی سرگرمیاں بڑے زوروں پر تھی اور ایک روز پہلے ایک عورت قتل ہو گئی تھی۔ پولیس کو خبردار کر دیا گیا تھا۔ سراغ رساں نے بتانے میں اطلاع کر دی تھی کہ مسٹر منبر عورتوں کے لباس میں قاتل کو گرفتار کر دینے کی خطرناک کوشش کر رہے ہیں۔

طے یہ ہوا کہ منبر جس جگہ کھڑا ہو گا ناگ اور جیمز اُس سے محفوظے فاصلے پر کھڑے ہو کر اُسے دیکھتے رہیں گے۔ جو نہی قاتل کسی کونے سے نکل کر اس پر حملہ کرے گا، یہ لوگ بھاگ کر قاتل کو قابو میں کر لیں گے اور اگر پستول بھی چلانا پڑا تو گریز نہ کریں گے۔ منبر ایک گلی کے کونے پر جا کر رُک گیا۔ کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد اُس نے فٹ پاتھ پر بند دکانوں کے آگے یوں ٹہلنا شروع کر دیا جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہا ہو۔

ایک آدمی جھومتا ہوا آیا اور یہ دیکھ کر کہ ایک لڑکا ان حسین لڑکی رات کو اکیلی فٹ پاتھ پر کھڑی ہے قریب آ کر منبر کو مذاق کرنے لگا۔ منبر بڑا تنگ آ گیا۔ سراغ رساں اور ناگ نے یہ منظر دیکھا تو پہلے تو وہ بہت ہنسے پھر جیمز نے ایک پولیس والے کو بلا

کہ کہا کہ اُس آدمی کو وہاں سے بھگا دے۔ پولیس کا سپانی عنبر کے پاس گیا اور آوارہ آدمی کو گمہ دن سے پکڑ کر تھکانے لے گیا۔

عنبر لڑکی کے لباس میں بڑا چونکا ہوا کہ یونہی سیٹیاں بجا بجا کر فٹ پاتھ پر چل پھر رہا تھا۔ وہ قاتل کو دعوت دے رہا تھا۔ مگر شاید قاتل بھی ہوشیار ہو چکا تھا۔ ساری رات عنبر عورتوں کا لباس پہنے فٹ پاتھ پر سردی اور دھند میں چہل قدمی کرتا رہا مگر قاتل نہ آیا۔ اگلا دن اس نے گرم گرم بستر میں سو کر گزارا۔ ناگ بھی آرام کرتا رہا۔ شام کے بعد سراغ رساں جیمز بھی اُن کے پاس آگیا۔ وہ بار بار چھینک رہا تھا۔

”کم بخت مجھے تو ساری رات سردی میں کھڑے رہنے سے زکام ہو گیا۔“

عنبر نے کہا۔

”پھر تم آج رات آرام کرو۔ میں اور ناگ ہی کافی ہیں۔“
سراغ رساں نے کہا۔

”نہیں بھائی! کسی پولیس کے آدمی کا تمہارے ساتھ ہونا بہت ضروری ہے جو اس بات کی گواہی دے کہ قاتل کو اُس نے حملہ آور ہوتے دیکھا ہے۔“

تینوں نکل کر پولیس اسٹیشن آگئے۔ موٹے تھکانے دار کو سراغ رساں جیمز نے بالکل نہیں بتایا تھا کہ عنبر پر کوئی ہتھیار اثر نہیں کرتا۔

عنبر نے ہی اُسے یہ راز ظاہر کرنے سے منع کیا تھا موٹے تھانہ دار نے عنبر کی طرف دیکھ کر شرارت سے کہا۔

”مادام کیا حال ہے آپ کا؟“

سارے لوگ ہنس پڑے۔ عنبر کو تھانے دار کی بات بُری لگی۔ ناگ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں عنبر سے اجازت مانگی کہ اگر اجازت ہو تو اس موٹے تھانے دار کی تو مذہب پر ابھی سانپ بن کر بیٹھ جاؤں؟ عنبر نے اشارے سے اُسے منع کیا۔ اس لیے کہ وہ ایک انسان دوستی اور بھلائی کے کام پر نکلے ہوئے تھے۔ انہیں ہر قسم کا ہنسی مذاق برداشت کرنا ہی پڑے گا۔

سراغ رساں نے بھی موٹے تھانے دار کے اس مذاق کو پسند نہ کیا۔ کیونکہ عنبر بغیر کسی لالچ اور تنخواہ کے اُن کے لیے کام کر رہا تھا۔ بہر حال دل میں عنبر نے سوچ لیا کہ وہ تھانے دار سے بھی کوئی نہ کوئی ایسا مذاق ضرور کریگا جسے وہ ساری عمر یاد رکھے گا۔

پچھلے روز کی طرح جب آدھی رات گزر گئی تو عنبر عورتوں کا بھڑکیلا لباس پہن کر سراغ رساں اور ناگ کے ساتھ شہر کے دوسرے علاقے میں آگیا۔ سراغ رساں اور ناگ دھند میں ذرا پیچھے تھے۔ عنبر عورت بنا بڑے خزانے کے ساتھ فٹ پاتھ پر کھڑا یوں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ جیسے اُسے کسی کا انتظار ہو۔ اُسے قاتل کا انتظار تھا اور قاتل ”R“ بازار کی دوسری طرف دھند میں

کھڑا اپنی تیز تیز آنکھوں سے فٹ پاتھ پر کھڑی عورت کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کے کانوں میں غبر کی اونچی ایڑی کی فٹ پاتھ پر ٹپک ٹپک کی آواز بھی صاف آرہی تھی۔

قاتل کے ڈراؤنے چہرے پر شیطان مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس کا شکار بالکل سامنے تھا۔ وہ ایک دکان کے برآمدے میں کھبے کے ساتھ کھڑا تھا۔ دائیں جانب ہو کر وہ دھند میں گم ہو گیا۔ قاتل دوسری طرف سے آ کر پیچھے سے عورت یعنی غبر پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے کوٹ کی اندروالی جیب سے لمبی چھری نکال کر ہاتھ میں پکڑ لی اور آہستہ آہستہ غبر کی طرف بڑھنے لگا۔ غبر عورت بنا بڑے مزے سے اپنی جگہ پر کھڑا قاتل کا انتظار کر رہا تھا۔ اب اُس نے بھی قاتل کی بو سونگھ لی تھی۔ قاتل کو ناگ نے بھی دیکھ لیا۔ ناگ نے اپنی خاص سانپوں والی ایسی سیٹی بجا کر اُسے خبردار کر دیا۔ ساتھ ہی سراخ رسان کو بھی خبر کر دی۔ ارد گرد پولیس بھی چوکس ہو گئی۔ قاتل اس منصوبے سے بے خبر تھا۔ اور بڑے آرام سے ایک ایک قدم بغیر آواز کے اٹھاتا غبر یعنی عورت کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اب غبر نے اپنے پیچھے قاتل کے قدموں کی چاپ سنی۔ وہ ایک جگہ پر ساکت ہو کر کھڑا ہو گیا تاکہ اُسے آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا موقع ملے۔ قاتل کو ایسا آسان نشانہ کبھی نہیں

ماتا تھا۔ اس کے چہرے پر وحشت انگیز شیطانی مسکراہٹ تھی۔
 عنبر کے بالکل پاس آکر وہ ایک پل کے لیے رکا اور پھر ایک دم
 سے اُچھل کر چھری اپنی پوری طاقت سے عنبر کی گردن پر مار
 دی۔ اس کا خیال تھا کہ اُس کے سامنے جو عورت زرق برق
 کپڑے پہنے اندھیری رات میں کھڑی ہے، اسکی بھرپور چھری
 کا وار کھا کر لڑکھڑا کر گرے گی۔ اس کی آدھی گردن الگ ہو
 جائے گی پھر قاتل بڑے آرام سے آگے بڑھے گا اور اسکی
 گردن الگ کر کے اُس کے ماتھے پر "R" کا نشان بنا
 کر وہاں سے روف چمکے ہو جاتے گا۔

مگر وہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو رہا تھا۔
 چھری سیدھی شکار کی گردن پر لگی تھی مگر جیسے پتھر پہ
 لگ کر واپس اس کے ہاتھ میں آگئی۔ وہ خود لڑکھڑا سا گیا۔
 کیونکہ وہ پوری طاقت سے آگے کو جھکا تھا۔ اتنی دیر میں
 میٹیوں کی آواز سے علاقہ گونج اٹھا۔ ایک دم سے پولیس گھوڑوں
 پر آگے بڑھی اور قاتل کو قابو کر لیا گیا۔ قاتل کی آنکھوں میں
 اپنے گرفتار ہونے پر حیرت نہ تھی بلکہ اس بات پر اسکی آنکھیں
 پھٹی ہوئی تھیں کہ یہ کس قسم کی عورت تھی کہ جس پر اس کی
 تیز چھری کا بھرپور وار بھی کارگر نہیں ہوا۔ نہ خون نکلا۔ نہ
 گردن کٹی۔ سراسر سانپ نے قاتل کو ہتھکڑیاں پہنا کر پولیس کے

ساتھ تھانے بھجوا دیا۔ عہتر عورت کے لباس میں ناگ اور سرانگر
کے ساتھ واپس اپنے گھر آ گیا۔

سراغ زسان نے عہتر اور ناگ کا شکریہ ادا کیا۔ کیونکہ ہرن
اُس کی وجہ سے ایک ایسا خطرناک قاتل گرفتار ہوا تھا جس
نے شہر میں دہشت پھیلا رکھی تھی اور اب تک وہ کتنی عورتوں
اور بے گناہ انسانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ چکا تھا۔

لاشوں کے چور

عبر اور ناگ نے اب ماریا کی تلاش شروع کر دی۔ وہ صبح نکلتے اور شام کو گھر واپس آتے۔ شہر اب اُن کے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔ وہ اس کے تمام بازاروں اور گلی کوچوں سے واقف ہو گئے تھے۔ کبھی کبھی اُن سے سراخ رساں ملنے آتا تھا۔ سراخ رساں عبر سے تقاضا کرتا کہ وہ جسم کو پتھر بنانے والی دوا اُسے بھی کہیں سے لادے۔ عبر نے اُسے صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ ایسی دوا کہیں سے بھی اُسے لا کر نہیں دے سکتا۔ پھر بھی سراخ رساں نے عبر کا پیچھا نہ چھوڑا۔

ایک روز عبر اور ناگ شام کے بعد کھانا کھا کر یونہی سیر کرنے لندن کے ایک ایسے علاقے میں آ گئے جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہاں ایک ڈاکٹر رہتا ہے۔ ناگ نے سوچا کہ اس ڈاکٹر سے بات کی جاتے کہ اُس نے کوئی ایسا مریض تو نہیں دیکھا جس پر کسی آسیب کا سایہ ہو۔ اس کا خیال تھا کہ اگر ماریا اس شہر میں ہو گئی تو اس کی غیبی طاقت کی کرامتیں ضرور کہیں نہ کہیں ظاہر ہوں گی۔

عنبر اور ناگ ڈاکٹر کی دکان میں آگئے۔ ڈاکٹر ایک پراسرار تیز زرد آنکھوں اور نوکیلی چونچ ایسی ناک والا بوڑھا تھا۔ اس نے عنبر اور ناگ کو گہری نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔
 ”کیا بات ہے؟ تم کو کیا بیماری ہے؟ شکل سے تو تم دونوں صحت مند نظر آتے ہو۔“

عنبر نے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب اصل میں ہم آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا کبھی کوئی ایسا مریض آپ کی نظروں سے گزرا ہے جس پر کسی آسیب کا سایہ ہو؟“
 ڈاکٹر نے اپنی عینک اتار کر اُس کے پیشے صاف کرتے ہوئے کہا۔

”میاں! یہاں تو ایسے مریض آتے ہیں جن کو اپریشن کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ میں سرجن ہوں۔ مجھ سے آسیب اور جن بھوتوں کا کیا تعلق؟“

”ہم نے آپ کو تکلیف دی۔ معافی چاہتے ہیں۔“
 ”کوئی بات نہیں۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”مگر تم لوگ مجھے ہندوستانی لگتے ہو۔ کیا تم بمبئی سے آئے ہو؟“
 ناگ نے کہا۔

”جی نہیں۔ ہم مصر کے رہنے والے ہیں۔“

”اوہ! بہت خوب پھر تو تم مصر کی میموں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو گے۔ کیا تم نے کبھی کوئی ممی دیکھی ہے؟“
سنہر ذرا سا مسکرایا اور بولا۔

”جی ہاں! صرف ایک بار اہرام میں ممی دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔“

”بہت خوب!“

ڈاکٹر باتیں کر رہا تھا اتنے میں ایک گنجے سر والا پہلوان نما آدمی اندر داخل ہوا اور ڈاکٹر کو اشارے سے دوسری طرف لے گیا۔ ناگ نے کہا۔

”ضرور کوئی راز کی بات ہے یہاں۔ ان کی باتیں سننی چاہئیں!“
”مگر وہ تو دوسرے کمرے میں ہیں۔“

”تم تو دوسرے کمرے میں بھی جاسکتے ہو۔“
ناگ نے کہا۔

”میں اپنے کانوں کی طاقت سے اُن کی باتیں سننے کی کوشش کروں گا۔“

ناگ نے گہرا سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں اور کان لگا کر ڈاکٹر اور گنجے پہلوان کی باتیں سننے لگا۔ ڈاکٹر گنجے سے پوچھ رہا تھا۔

ڈاکٹر: ”مگر آج جو لاش تم لاتے ہو، وہ گلی مٹری ہے۔“

معلوم ہوتا ہے کسی پرانی قبر کو کھود کر تم نے نکالی ہے۔ میں اس کے پچاس روپے سے ایک پائی زیادہ نہیں دوں گا۔
 گنجہ پہلوان :- ڈاکٹر صاحب ! در روز بعد میں آپ کو تازہ لاش لا کر دے دوں گا۔

ڈاکٹر :- یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ لوگوں نے قبروں پر پہرے بٹھا دیئے ہیں۔ تم تازہ قبر کہاں سے کھود کر تازہ لاش لاؤ گے۔
 گنجہ پہلوان :- جناب آپ فکر کیوں کرتے ہیں۔ ہم نے ایک ایسی عورت کو تازہ رکھا ہے جو عزیز ہے اُسے پیسوں کا لالچ دے کر ہم اپنی کوٹھڑی میں لے جائیں گے اور قتل کر کے لاش آپ کے پاس لے آئیں گے۔ کیسے کیا اب بھی آپ اعتراض کریں گے؟

ڈاکٹر :- (خوش ہو کر) شاباش ! یہ تم نے بہت عمدہ حکم بنائی ہے۔ بلکہ اگر تم اس طرح عورتوں اور مردوں کو قتل کر کے مجھے تازہ لاشیں تجربے کے لیے لا کر دیتے رہو تو میں تمہیں ہر لاش کا سو روپیہ نقد دیا کروں گا۔

گنجہ پہلوان :- جی نہیں۔ ہم ایک لاش کا ڈیڑھ سو روپیہ وصول کریں گے۔ آپ کی مرضی ہو تو سودا کریں نہیں تو میں جا رہا ہوں۔

ڈاکٹر :- نہیں نہیں بھائی ! ناراض کیوں ہوتے ہو۔ چلو میں

تمہیں ڈیڑھ سو روپے ہی دے دیا کروں گا۔ مگر لاش کو گردن سے مت کاٹنا۔ صرف دل میں خنجر مار کر ایک زخم کر کے انسان کو قتل کرنا تاکہ باقی لاش صحیح حالت میں رہے۔

گنجد پہلوان!۔ ایسا ہی کریں گے جناب! لایتے اب اس لاش کے پچاس روپے۔

ڈاکٹر نے جیب سے پچاس روپے نکال کر گنجد پہلوان کو دیتے۔ پہلوان کمرے سے خوش باش باہر نکلا۔ ڈاکٹر ابھی کمرے میں ہی تھا کہ ناگ نے عنبر کو اشارہ کر کے اس گنجد پہلوان کا تعاقب کرنے کو کہا۔

”غیریت تو ہے ناگ؟“

ناگ نے کہا۔ جلدی کرو۔ اس گنجد کا پیچھا کرنا بہت ضروری ہے۔ ناگ اور عنبر ڈاکٹر کی دکان سے باہر نکل آئے اور انہوں نے گنجد پہلوان کا تعاقب شروع کر دیا۔ راستے میں ناگ نے اُس قاتل گنجد کے بارے میں سارا کچھ بتا دیا۔

”یہ ظالم آدمی ہے۔ اُس نے زندہ انسانوں کو ہلاک کر کے ان کی لاشیں ڈاکٹر کے پاس فروخت کرنے کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔“

عنبر نے پوچھا۔

”سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر ان لاشوں کا کیا کرتا ہے؟ وہ ان پر کس قسم کے تجربے کر رہا ہے؟“

ناگ نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر لوگ بعض بیماریوں کی اصل وجہ معلوم کرنے کے لیے مردہ جسموں پر تجربے کیا کرتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر بھی اس قسم کے تجربے کرتا ہے۔ بہر حال پہلے اس گنجے قاتل کی تو خبر لیں پھر ڈاکٹر کا بھی پتہ کر لیں گے کہ وہ لاشوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔“

گنجہ قاتل تاریک اندھیری گلیوں میں سے ہو کر ایک مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔ غبر نے ناگ سے کہا۔
 ”یہاں میرا کام ختم ہوتا ہے اور تمہارا کام شروع ہوتا ہے اب تم اندر جا کر معلوم کرو کہ معاملہ کیا ہے۔“
 ”تم اسی جگہ میرا انتظار کرنا میں ابھی حالات کا جائزہ لے کر باہر آتا ہوں۔“

ناگ نے ایک کالے سانپ کی شکل اختیار کی اور کونوں کھدروں سے ہوتا ہوا مکان کی ڈیوڑھی سے گزر کر ایک کوٹھڑی میں آ گیا۔ یہاں گنجہ قاتل ایک بد معاش سے باتیں کر رہا تھا۔ ناگ دیوار کی اوٹ میں میز کے نیچے چھپ گیا اور ان دونوں کی باتیں سننے لگا۔

گنجہ : ڈاکٹر سے میں نے پوری بات طے کر لی ہے۔
 بد معاش : بہت خوب ! کیا وہ ایک سو روپیہ فی زندہ لاش دینے

پیر رضا منڈ ہے ؟

گنجم : ارے میں نے اُس سے ڈیڑھ سو روپے فی زندہ لاش کا سودا کر لیا ہے۔

بد معاش : بہت خوب ! یا یہ تو بہت اچھا ہوا۔ اب کم از کم قبرستان جا کر قبریں کھودنے ، کفن پھاڑنے اور لاش کو قبر میں سے گھسیٹ کر نکالنے اور تابوت توڑنے کی مصیبت سے تو نجات مل جائے گی۔ اپنا کسی زندہ انسان کو تلاش کیا۔ ورغلا کر اُسے گھر لاتے اور بڑے آرام سے قتل کر کے لاش صندوق میں بند کر کے ڈاکٹر کی قبر پر گاہ میں پہنچا دی۔

گنجم : اس سے آسان کام تو شاید ہی دنیا میں کہیں ہو گا۔ بد معاش : پہلی لاش کے پیسے لاتے ہو ؟

گنجم : ”کم بخت ڈاکٹر نے بڑی مشکل سے پچاس روپے دیے ہیں۔“

بد معاش : کم از کم اس سے ستر روپے تو لاتے !

گنجم : وہ مانتا ہی نہیں تھا۔ کہتا تھا لاش گلی سڑی تھی۔

بد معاش : (سر کھجلا کر) ہاں یا یہ لاش تو واقعی گلی سڑی تھی

کم بخت کوئی بڑھا تھا۔ بیماری نے اس کا سارا جسم کھوکھلا کر دیا تھا۔ چلو اب قبرستان کے بڑے مزدوروں سے تو نجات ملی۔

گنجم : اچھا تو اب پہلا شکار کس کو بنانا ہے۔

بد معاش : وہی عورت ! اس سے بہتر اور کون سا شکار ہو گا
 بھلا۔ عزیز ہے۔ بیمار رہتی ہے کھانے کو کچھ نہیں ملتا۔ اُسے
 نوکری کا جھانسنہ دیں گے۔ سو روپے پیشگی دے دیں گے۔ پھر
 اُسے درغا کر یہاں لے آئیں اور پھر قتل کر دیں گے۔
 گنجو : بالکل ٹھیک ہے۔ تو پھر چلو۔

بد معاش : چلو !

دونوں بد معاش گھر سے باہر نکل گئے۔ منبر نے ان دونوں
 کو گلی میں سے گزرتے دیکھا تو اُسے ناگ کا خیال آیا کہ وہ
 ابھی تک کیوں نہیں آیا۔ اتنے میں ناگ بھی آگیا۔ اس نے
 منبر کو ساری کہانی بیان کر دی اور کہا۔

”میرا خیال ہے یہیں ان کے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔
 کیونکہ جس عورت کو یہ قتل کرنے کا پروگرام بنا چکے ہیں اُسے اپنے
 ساتھ اس گھر میں لا رہے ہیں۔ تو بہتر ہو گا کہ ہم اسی گھر میں
 بیٹھ کر تو ان کی واپسی کا انتظار کریں۔“
 منبر نے کہا۔

”یہ خیال درست ہے۔ آؤ اندر چلتے ہیں۔“

دونوں مکان کی ڈیوڑھی میں سے گزر کر اندر کوٹھڑی میں
 آ گئے۔ یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک پلنگ دو کرسیاں، چند ایک
 برتن اور پرانی کیتلی پڑھی تھی۔ اس لیے شاید انہوں نے کوٹھڑی

کو تالا نہیں لگایا تھا۔ عنبر اور ناگ نے محسوس کیا کہ اس کو کھڑکی میں ایسی بو پھیلی تھی جیسی کہ قبرستانوں میں پھیلی ہوا کرتی ہے۔ ”بد بخت بالکل قبروں کے مردے نکال کر کھانے والے بھجڑوں کا گھر معلوم ہوتا ہے۔“

عنبر نے ناگ پر انگلی رکھ کر کہا۔ ناگ مسکرا کر بولا۔
 ”ان میں اور قبروں کے بھجڑوں میں فرق بھی تو کوئی نہیں۔
 ہاں البتہ ایک لحاظ سے یہ قبروں کے بھجڑوں سے زیادہ ظالم ہیں۔
 بھجڑے تو صرف مردے کو کھاتا ہے اور یہ بد معاش زندہ انسانوں کو
 ہلک کر کے فروخت کرتے ہیں۔“

عنبر بولا۔

”ہم اس جگہ اُن دونوں کا انتظار کریں گے۔ جب وہ آگے
 تو میں اس پلنگ کے نیچے چھپ جاؤں گا۔ اور تم — تم تو سانپ
 بن کر جہاں جی چاہے چھپ سکتے ہو۔“
 ناگ نے کہا۔

”میں اس کچھ کے پیچھے پرانے کباڑ خانے میں چھپ جاؤں
 گا۔ مگر یاد رہے جو نہی ان لوگوں نے عورت پر حملہ کیا ہمیں اُسی
 لمحے باہر آ کر انہیں دبوچ لینا ہو گا۔“
 عنبر بولا۔

وارے بھائی! دبوچنا کیا ہو گا۔ تمہیں تو اسی وقت اُن

دولوں کو ڈس کر ہلاک کر دینا ہو گا۔“

ادھر یہ دونوں بھائی یہ باتیں کر رہے تھے اُدھر وہ دونوں بد معاش شہر کے تنگ و تاریک مکان میں بیٹھے ایک جوان مگر فائدہ زدہ عزیز عورت سے بیٹھی بیٹھی باتیں کر رہے تھے۔ گنہگار رہا تھا۔

”بہن! خدا کا شکر ہے کہ تمہاری نوکری کا بندوبست ہوا۔ میں نے تو تمہاری نوکری کی تلاش میں سارا شہر چھان مارا تھا وہ کون سا آدمی ہو گا جس کو میں نے نہیں کہا ہو گا۔“

عزیز عورت نے خوش ہو کر کہا۔

”تم سچ کہتے ہو؟ کیا مجھے نوکری مل جائے گی؟“

”ارے بھئی کیوں نہیں“ دوسرا بد معاش بولا۔ ”نوکری بھی دو روپے ماہوار کی ہے۔“

دوسرے روپے ماہوار کا نام سن کر تو عزیز عورت کی خوشی سے باپھیں کھل گئیں۔ اُسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے کہا۔

”خدا تمہارا بھلا کرے بھائیو! تم نے ایک عزیز بیوہ عورت کی مدد کر کے بہت ثواب حاصل کیا ہے۔ اب میری عزت دور ہو جائے گی اور میں اپنے بچوں کی اچھی طرح سے پرورش کر سکوں گی۔“

گنہگار نے کہا۔

”اگر تم اس وقت ہمارے ساتھ چلو تو تمہیں ایک سو روپیہ ایدولس بھی مل سکتا ہے۔“

”یعنی پیشگی ایک سو روپیہ؟“

”ہاں ہاں بھئی۔ جس عورت نے تمہیں اپنے گھر میں ملازم رکھا ہے وہ اس وقت ہمارے گھر پر ہی بیٹھی ہے۔ تم ہمارے ساتھ چلی چلو۔ ہم تمہیں سامنے بھی کرا دیں گے اور اس سے سو روپے پیشگی بھی لے دیں گے۔“

عورت نے اٹھ کر کہا۔

”میں ابھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔“

”آؤ پھر۔ یہ کام بھی ہو ہی جاتے تو اچھا ہے۔“

دونوں بد معاشوں نے عورت کو ساتھ لیا اور اپنے گھر کی طرف چل پڑے۔ عنبر اور ناگ نے باتیں کرتے کرتے ڈیوڑھی میں قدموں کی آوازیں سنیں۔

”وہ آگئے۔“ ناگ نے کہا اور سانپ بن کر چھپ گیا۔ عنبر

فوراً پلنگ کے نیچے پرانے کبلوں میں چھپ کر لیٹ گیا۔ دونوں بد معاش عورت کو پہلاتے پھسلاتے، اُس سے روپے پیسوں اور اچھی زندگی کی باتیں کرتے اندر آگئے۔

”بیٹھو بہن! اس پلنگ پر بیٹھو۔“

عورت نے ذرا بے چینی سے پوچھا۔

”وہ۔ وہ عورت کہاں ہے؟ میرا مطلب ہے، میری مالکہ کہاں ہے جس کے پاس میں کام کروں گی۔“
 گنجے نے بھٹ کہا۔
 ”ابھی ابھی تو یہاں بیٹھی تھی۔“
 دوسرا بد معاش بولا۔

”وہ ساتھ والے مکان میں چلی گئی ہوگی۔ کبھی تھی وہاں میرا ایک بھانجہ رہتا ہے، ذرا اُس سے مل آؤں۔ بس اتنی ہی ہوگی۔“
 گنجے نے کہا۔

”بہن تم کھل کر بیٹھ جاؤ۔ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔ میں چائے بناتا ہوں۔“

عورت بے چاری ان لوگوں کے اخلاق سے متاثر ہو رہی تھی۔
 کہنے لگی۔

”شکریہ بھائی! آپ لوگوں کو چائے بنانے میں تکلیف ہوگی۔“
 گنجے بولا۔

”ارے نہیں بہن تکلیف کی کیا بات ہے۔ جب بھائی کے گھر میں بہن آتی ہے تو اس کی خاطر داری نہیں کی جاتی کیا؟ بھلا اس میں تکلیف کیسی؟ ہمیں تو خوشی ہوگی۔“

بد معاش بولا۔ ”اور پھر ایک منٹ میں چائے تیار ہو جائے گی۔“

گنجہ عورت سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ اُس نے اُسے مصروف رکھا اور بد معاش چائے گرم کرنے لگا۔ جب چائے پک گئی تو اُس نے تین پیالیوں میں اُسے ڈالا۔ پھر سب کی نظروں سے چھپ کر ایک پیالی میں جیب سے کوئی دوائی نکال کر ڈال دی۔ پیالی میں چائے کو چھچھ سے خوب ہلایا اور وہ کپ عورت کے سامنے رکھ کر کہا۔

”بہن! تمہارا بھائی عزیز ہے۔ مگر اس کا دل تمہاری محبت سے بربز ہے۔ میں تمہاری خدمت نہیں کر سکا۔ اس کا مجھے افسوس رہے گا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ اگلی بار تم آؤ گی تو میں تمہارے لیے سری پائے پکاؤں گا۔“

عزیز عورت اس کے افلاق سے بڑی متاثر ہوئی۔ کہنے لگی۔
”بھائی تم کیوں اپنے آپ کو پریشان کر رہے ہو۔ بہنوں کے لیے اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے گھر میں گھڑی دو گھڑی آ کر بیٹھ جائیں۔ انہیں تو بھائیوں کی طرف سے مٹھنڈی ہوا آنی چاہیے۔ بہنیں چائے کی بھوکی نہیں ہوتیں اور پھر تم نے تو ایک منٹ میں چائے تیار کر دی ہے۔“

گنجہ پہلوان :- بہن! چائے بنانے میں تمہارے بھائی کا جواب نہیں، بیوگی تو اسے پسند کر دگی۔

عزیز عورت نے کپ منہ کے ساتھ لگا کر ایک گھونٹ

چائے کا پیالہ تو سر ہلا کر کہنے لگی۔

”بہت مزیدار چائے ہے۔ مگر اس میں شک کافور کی ہلکی ہلکی خوشبو کیوں آرہی ہے؟“

بد معاش نے گننے کی طرف دیکھا۔ گننے قاتل نے سر کھنچا کر کہا۔

”ہی ہی ہی۔ بات دراصل یہ ہے بہن کہ میرے بھائی کو شک کافور سے بڑا پیار ہے۔ یہ چائے میں اُسے ضرور ملا کر پیتا ہے۔ کم بخت نے تمہارے پیالے میں بھی ملا دیا ہوگا۔“
بد معاش بولا۔

”مجھے افسوس ہے بہن! مگر میں نے تمہارے پیالے میں شک کافور بالکل نہیں ملایا۔ ہاں میرا ہاتھ ضرور لگ گیا ہوگا۔ معافی چاہتا ہوں۔ کہو تو میں ابھی دوسری چائے بنا دیتا ہوں۔ لاؤ پیالہ میں چائے پھینک کر دوسری بنا دوں۔“
عورت نے کہا۔

”نہیں نہیں بھائی، اس کی کیا ضرورت ہے۔ تمہاری مہربانی ہے۔ میں پی لوں گی۔ اتنا شک کافور تو نہیں ہے اس میں۔“
بد معاش نے زبردستی کرتے ہوئے کہا۔

”بہن! دے دو پیالہ۔ مجھ سے غلطی ہو گئی کہ شک کافور والا ہاتھ لگا دیا۔ میں ابھی دوسری چائے بنا دیتا ہوں۔“

عورت نے چائے کی پیالی والا ہاتھ دور لے جاتے ہوئے کہا۔
 ”نہیں بھائی۔ میں اسے ہرگز نہیں دوں گی۔ میں تو اسے
 بڑے شوق سے پیوؤں گی۔“

اور وہ بڑے شوق سے ساری چائے پی گئی۔ عزیز بھوت
 چائے پھینکوا دیتی تو زیادہ اچھا تھا۔ مگر ایسا نہ کر سکی۔ چائے
 پینے کے بعد دونوں بد معاش اس کے ساتھ مسلسل گفتگو کرتے
 رہے۔ یہاں تک کہ عورت کی آنکھوں کے پپوٹے بھاری ہونا
 شروع ہو گئے۔ چائے میں ملائی ہوئی نیند لانے والی دوا اپنا کام
 کر چکی تھی۔ عزیز عورت نے ایک دو بار آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔
 ”یہ مجھے نیند کیوں آتی جا رہی ہے؟ پہلے تو چائے پی کر مجھے
 کبھی نیند نہیں آتی تھی۔“

گنجنے نے کہا۔

”ہماری چائے میں دودھ زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے ذرا غنودگی
 طاری ہو جایا کرتی ہے مگر محضوری دیر بعد طبیعت بالکل چاق و
 بھونڈ ہو جاتی ہے۔“
 عورت نے کہا۔

”مگر میرا تو سر بھی چکر رہا ہے۔“

وہ ہاتھ سے اپنا سر دبانی لگی۔ گنجنے قاتل نے اُس کے شانوں
 پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”بہن کچھ دیر آرام کر لو۔ آرام کرنے کے بعد طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔“

”ہاں میرا خیال ہے مجھے کچھ دیر آرام کر لینا چاہیے مگر۔۔۔۔۔ مگر وہ عورت — میری مالکہ ابھی تک کیوں نہیں آئی۔ اُس نے مجھے — مجھے..... مجھے پیشگی ایک سو روپیہ دینا تھا۔ ایک سو روپیہ میرے بچوں کے کپڑے بنانے کے کام آئے گا۔ اب میں اُن کو روزانہ دودھ پلا سکوں گی۔ وہ رات کو بھوکے نہیں سوئیں گے۔ ایک سو روپیہ پیشگی — میرا سر گھوم رہا ہے.... یہ مکرہ..... گھوم رہا ہے۔ گھوم رہا ہے..... گھوم.... گھو..... م...“

اور عزیز عورت پلنگ پر گرتے ہی گہری نیند میں کھو گئی۔ اُسے نیند میں بے ہوش ہوتے دیکھ کر دونوں قاتلوں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ بد معاش بولا۔

”میری دوائی نے فوراً اثر کیا۔ اگر یہ بے ہوش نہ ہوتی تو ہمارے لیے مشکل ہو جاتی۔“
گنجر بولا۔

”بکثرت ضرور شور مچاتی۔ چلو اب اس کا کام تمام کرنے کی تیاریاں کرو۔ پلنگ پر سے اسے اتار کر فرش پر لیٹا دو۔ میں چھری نکال کر لاتا ہوں۔“

بد معاش کہتے لگا۔

”کپڑے پرے پرے ہٹاؤ۔ کم بخت کا خون فرش پر گہرے
ان کپڑوں کو خراب کر دے گا۔“

”یار اس پلنگ کے نیچے رکھ دو کپڑوں کو۔“

بد معاش نے فرش پر بکھرے ہوئے کپڑے اٹھا کر جب
کھبے کے پاس رکھے ڈرم میں سے پرانا کپڑا خون صاف کرنے
کے لیے نکالنا چاہا تو ایک کالے سانپ کو دیکھ کر اُس کے
منہ سے چیخ نکل گئی۔

”سانپ!“

گنجر اُچھل کر پلنگ پر چڑھ گیا۔

”کہاں ہے سانپ؟“

”یہاں کھبے کے پاس ہے۔ چھری نکال کر اسے ہلاک کر

دور جلدی کر دو۔“

”چھری تو تم لینے جا رہے تھے۔ جلدی سے چھری سے اسے

مار ڈالو۔“

”چھری دور پڑی ہے۔ خدا کے لیے پلنگ کے نیچے سے

ڈنڈا نکال کر اس کا سر کچل دو۔“

بد معاش پلنگ کے نیچے سے ڈنڈا نکالنے لگا تو عنبر بھی

ڈنڈے کے ساتھ ہی باہر نکل آیا۔

”ہائیں! تم کون ہو؟“

گنجے نے بیچجھک کر کہا۔

”دیکھتے کیا ہو ٹام! اُچھل کر اسے گردن سے دبوچ لو۔ یہ کوئی پورا چمکا ہے۔ جانے نہ پاتے۔ تم اُسے سنبھالو۔ میں سانپ کو مارتا ہوں۔“

بد معاش اپنی جگہ سے اُچھلا اور عنبر کی گردن کو دبوچ کر اُسے گمرانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر عنبر نیچے گرنے والی پھیز نہیں ہتی۔ عنبر نے اپنا ایک ہاتھ ہوا میں لہرا کر اُس کی گردن میں ایسا مارا کہ اس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔ اس کی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی۔ گنجے نے جب یہ معاملہ دیکھا تو اپنے ساتھی کی مدد کے لیے واپس پلٹا۔ وہ سانپ کو بھول گیا۔ مگر سانپ نے اُسے نہیں بھلایا تھا۔ سانپ لپک کر اس کے سامنے آ گیا۔ اس نے اپنا پھن پھیلا لیا اور گنجے کے چہرے کے سامنے آ کر زور زور سے جھومنے لگا۔ گنجے کے ماتھے پر پسینے کے قطرے جھلکانے لگے۔

کاناچمگا دڑ

عنبر نے کہا۔

”ناگ! ابھی اسے مت ڈسنا۔ مجھے اس سے ایک سوال

پوچھنا ہے۔“

ناگ کا چہن آگے بڑھتا بڑھتا رک گیا۔ عنبر نے اس

گنچے سے پوچھا۔

”اگر تم یہ بتا دو کہ یہ مذموم اور شرمناک کام اور کون کون

لوگ یہاں کرتے ہیں تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔“

گنچے نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

”مشرقی دروازے کے اندر ایک کاناچمگا دڑ نام کا بد معاش

رہتا ہے، وہ بھی انسانی لاشوں کا کاروبار کرتا ہے۔“

”اور کون کون یہ کام کرتا ہے؟“

”جی نہیں۔ اور کوئی نہیں۔“

عنبر نے ناگ سے کہا۔

”ناگ اس مکروہ قاتل کو ختم کر دو۔ نہ رہے ہانس نہ بچے گی

بالسری!“

ناگ نے اپنا پھن ذرا پیچھے کر کے لپک کر گنجے کی پیشانی پر
 دس دیا۔ گنجے نے چیخ ماری اور سر کو پکڑ کر زمین پر گر پڑا۔
 بھلا ناگ کا زہر وہ کہاں تک برداشت کر سکتا تھا۔ ذرا سی
 دیر میں اُس کا سارا بدن نیلا پڑ گیا اور زبان کالی ہو کر باہر
 نکل آئی اور وہ سر کر اکر گیا۔

اب ان قاتلوں کی لاشیں پلنگ کے نیچے گر دو۔ یہ عزیب
 عورت اٹھے گی تو لاشیں دیکھ کر کہیں اس کی بھی جان نہ
 نکل جائے۔

عزیز نے کہا۔

ناگ نے دونوں لاشیں گھسیٹ کر پلنگ کے نیچے کر دیں اور اُن
 پر پرانے کپڑے ڈال دیئے۔ اب وہ عزیب عورت کو ہوش میں
 لانے کی کوشش کرنے لگے۔ انہوں نے اس کے چہرے کو تھنڈے
 پانی کے چھینٹے دیئے اور اُس کے گالوں پر ہلکے ہلکے تھپڑ بھی مارے۔
 تھوڑی دیر بعد عورت ہوش میں آ گئی اس نے جو دیکھا کہ اُس
 کے سامنے کوئی اور ہی دو آدمی بیٹھے ہیں تو چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی۔
 ”تم لوگ کون ہو؟ میرے بھائی کہاں ہیں؟“

عزیز نے کہا۔

”میں خدا کا شکر ادا کر دو کہ اُن لوگوں سے تمہاری جان بچی۔
 وہ تو تمہیں قتل کرنے کے لیے یہاں لاتے تھے اسی لیے انہوں نے

چائے میں بے ہوشی کی دوائی ملا کر تمہیں پلا دی تھی۔“
 عزیب عورت کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ عنبر اور ناگ
 اُسے قاتلوں کی لاشیں دکھا کر اور زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہتے
 تھے۔ انہوں نے عورت کو اٹھا کر کھڑا کیا اور کہا۔
 ”بہن! چلو تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آئیں اور خبردار اب کبھی
 کسی کے ساتھ گھر سے باہر مت نکلنا۔“
 وہ عورت کو ساتھ لے کر اُس کے گھر آ کر چھوڑ گئے۔ باہر
 آ کر ناگ نے کہا۔

”اب اُس بد بخت کانے چمگا ڈر نامی قاتل کی چل کر خبر لینی چاہیے۔“
 ”مزور ضرور! مگر خبر کیا لینی ہے۔ اُسے بھی ختم کر دینا چاہیے
 تاکہ خلق خدا اس کے ظلم سے محفوظ رہ سکے۔“

دن ڈھل رہا تھا کہ دونوں شہر کے مشرقی دروازے پر آ
 گئے۔ یہ دروازہ بڑا پرانا تھا۔ آدھا تو گر چکا تھا۔ دروازے کی
 ڈیوڑھی سے گزر کر وہ ایک سرائے کے باہر آ کر کھڑے ہو گئے۔
 سوچنے لگے کہ کس سے کانے چمگا ڈر کے بارے میں پوچھیں۔ آخر
 انہیں ایک پراسرار سالو بوان جاتا دکھائی دیا۔ ناگ اُس کے
 قریب جا کر بولا۔

”بھائی! مجھے کانے چمگا ڈر کی تلاش ہے۔ میں اس کا بھائی
 ہوں۔ بڑی دُور سے آیا ہوں۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ کہاں

رہتا ہے ؟

پڑا سرار آدمی ناگ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ بولا۔

”میں جانتا ہوں تم اُس سے کیوں ملنا چاہتے ہو۔ تم ایسا کرو کہ یہاں سے باہر باتیں ہاتھ کو چلے جاؤ۔ آگے ایک پرانا گر جا آئے گا۔ اس کے پیچھے ایک ٹوٹا پھوٹا مکان ہے۔ بس اُسی مکان میں کانا چمگادڑ رہتا ہے۔“

ناگ اور عنبر خاموشی سے شکریہ ادا کر کے باتیں ہاتھ کو گھوم گئے۔ آگے ایک گر جا آگیا۔ اُس کے ساتھ ہی ایک بوسیدہ ایک منزلہ تنکونی چھت والا مکان کھڑا تھا۔ اس مکان کی چھت ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔ ناگ نے وہاں ایک لڑکے سے کانے چمگادڑ کے بارے میں پوچھا تو اُس نے کہا۔

”کانا چمگادڑ وہاں سرائے میں چائے پینے گیا ہے۔“

دونوں بھائی سرائے میں آگئے۔ یہاں ایک مچھوٹے سے کمرے میں پرانی ٹیلیفون قسم کی کرسیاں بچھی تھیں جس پر بیٹھے بد معاش قسم کے جرائم پیشہ لوگ کھا پی رہے تھے اور ہنسی مذاق بھی کر رہے تھے۔ ناگ نے ایک آدمی سے کانے چمگادڑ کا پوچھا۔ اُس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”وہ سامنے بیٹھا ہے کانا چمگادڑ۔“

کانا چمگادڑ بڑی شان سے ٹانگ پر ٹانگ رکھے کرسی پر بیٹھا

تھا۔ ایک

سوکھا سا مرل آدمی اس کا سر دبا رہا تھا۔ ناگ نے دیکھا وہ ایک
آنکھ سے کانا تھا اور کافی آنکھ سے سیاہ رنگ کا پانی بہہ بہہ کر
اس کے گالوں پر جم گیا تھا۔ ناگ نے جا کر کہا۔

”آداب بھائی جان! میں آپ سے ایک مزدوری بات کرنے
آیا ہوں۔“

کانے چمکا دڑنے گھور کر ناگ کو دیکھا اور کہا۔

”کیا تمہارا سامتی بھی مجھ سے مزدوری بات کرنے آیا ہے؟“
ناگ نے سبکی طرف دیکھ کر کہا۔

”جی ہاں جناب! یہ بھی میرے ساتھ ہی کام کرتا ہے۔“
کانا چمکا دڑا نہیں لے کر کونے والی خالی میز پر آ کر بیٹھ گیا۔
”بولو! کیا کام ہے تمہیں مجھ سے؟“
ناگ بولا۔

”جناب! بات یہ ہے کہ ہمارے پاس دو لاشیں اس وقت
موجود ہیں۔ ہم انہیں آپ کے پاس فروخت کرنا چاہتے ہیں۔“
کانے چمکا دڑنے چونک کر کہا۔

”تم خود کیوں نہیں لاشیں لے کر کسی ڈاکٹر کے پاس چلے جاتے؟“
ناگ بولا۔

”بات یہ ہے کہ جس ڈاکٹر کو ہم لاشیں دیا کرتے تھے، وہ یہاں

سے چلا گیا ہے۔ ہم کسی دوسرے ڈاکٹر کو لاشیں دیتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ اگر آپ ہم سے خرید لیں تو ہم بڑی سستی دے دیں گے۔“
 کانا چمگا ڈر ان دونوں کو ساتھ لے کر اپنے پرانے گھر آ گیا۔
 گھر میں ہر شے بکھری بکھری اور گندی تھی۔

”لاشیں اس وقت کہاں ہیں؟“ کانے چمگا ڈر نے پوچھا۔
 ”قبرستان کی ایک کوٹھری میں رکھی ہیں۔ بالکل تازہ ہیں۔ جناب! ہم نے آج صبح ہی اُسے قبروں میں سے کھود کر نکالا ہے۔“
 کانا چمگا ڈر محضوک کر بولا۔

”بھائی! میں تو زندہ لاشوں کا دھندا کرتا ہوں۔“
 اس کے ساتھ ہی کانے چمگا ڈر نے سیٹی بجائی۔ دواؤں کا کھلا۔
 چار ہٹے کٹے بد معاش چھڑیاں لیے باہر نکل آئے اور انہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے عنبر اور ناگ کو رسیوں میں جکڑ کر زمین پر ڈال دیا۔ ناگ نے کہا۔

”کیا آپ اپنے مہمانوں سے یہی سلوک کرتے ہیں؟“
 کانے چمگا ڈر نے زور سے تہمت لگایا اور کہنے لگا۔
 ”تم لوگ یہاں اجنبی ہو۔ میں جانتا ہوں تم باہر سے مجھے پہچاننے کے لیے بھیجے گئے ہو۔ تمہیں ضرور پولیس نے بھیجا ہے۔ مگر میں تمہیں زندہ نہیں جانے دوں گا۔ میں تم دونوں کی لاشوں کو بیچ کر پانچ سو روپے وصول کروں گا۔ بڑی جوان لاشیں ہوں گی تمہاری۔“

۲۲۲-

ناگ نے عنبر کی طرف اور عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا۔ کانے
چمکا دڑنے اُپنی آدھیوں سے کہا۔

”ان دونوں کو نیچے تہہ خانے میں لے چلو۔ میں چاہتا ہوں
کہ ابھی انہیں قتل کر کے رات کو لنگڑے ڈاکٹر کے پاس ان
کی لاشیں پہنچا دو۔ میں نے اُس سے آج لاشیں پہنچانے کا
 وعدہ کر رکھا ہے۔“

چاروں بد معاشوں نے عنبر اور ناگ کو اٹھایا اور نیچے تہہ خانے
میں لا کر پھینک دیا۔ اب وہ چھریاں کلباڑیاں تیز کرنے لگے۔
کانا چمکا دڑ بھی نیچے آگیا۔ عنبر نے ناگ کی طرف دیکھ کر سرگوشی
میں کہا۔

”ناگ! اب کس کا انتظار کر رہے ہو۔ یہ تمہارے چار ٹکڑے کر
دیں گے تب کچھ کر دو گے۔ مجھے تو یہ کچھ نہ کہہ سکیں گے فکر تو تمہارا
کر رہا ہوں۔“

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

”میں تو تیل دیکھ رہا ہوں اور تیل کی دھار دیکھ رہا ہوں۔“

عنبر بولا۔

”وہ تو ٹھیک ہے مگر کہیں تیل دیکھتے دیکھتے دیا ہی نہ گل

ہو جائے۔“

کانے چمکا دڑنے جب دیکھا کہ دونوں شکار آپس میں سرگوشیاں
 کر رہے ہیں تو اُس نے ناگ کے سر پر زور سے پھڑکار کر کہا۔
 ”یکٹے! ہمارے خلاف باتیں کر رہے ہو؟ کر لو جتنی باتیں کرنی
 ہیں۔ یہ تمہاری زندگی کی آخری باتیں ہوں گی۔“

پھر اُس نے اپنے دبدبے مناشوں کو حکم دیا۔
 ”لال ہاتھی! نکالو چھڑی اور پہلے اس یکٹے کی گردن اتار دو
 یہ بہت بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہا تھا۔“

لال ہاتھی پنج بج ہاتھی کا ڈیل ڈول رکھتا تھا۔ وہ جھومتا جھومتا
 چھڑی لیے ناگ کے پاس آیا اور اس کی طرف دیکھ کر اپنے پیسے
 دانت نکال کر ہنسنے لگا۔

کانے چمکا دڑنے بیچنے کر کہا۔

”گدھے کے بچے دانت کیا نکال رہے ہو۔ کام تمام کر دو اس
 یکٹے کا۔ گردن اتار کر فروش پر رکھ دو۔ پھر دوسرے کی باری
 آئے گی۔“

لال ہاتھی نے چھڑی اٹھا کر لہرائی۔ دوسرے ہاتھ سے ناگ
 کے بال پکڑ کر اس کی گردن ایک طرف کو جھکا دی۔ چاہتا تھا
 کہ ایک ہی وار سے گردن اتار دے کہ ناگ نے کہا۔

”عبر خدا حافظ!“

عبر تو کانپ کر رہ گیا۔ ناگ موت کے بے حد قریب پہنچ گیا تھا۔

ایک پل کے لیے تو وہ یہی سمجھا شاید ناگ پر سح پمچ اُس کو زندگی کا آخری سلام کر رہا ہے، کہا وہ اپنی ساری کرامات بھول گیا ہے؟ غنبر اس قسم کے خیالات میں گم تھا کہ ناگ رسیوں میں جکڑے جکڑے اچانک غائب ہو گیا۔ لال ماتھی کے ہاتھ سے چھری گر پڑی اور وہ دہشت کھا کر پیچھے کو گر ا۔

”یہ کیا ہو گیا ماسٹر چمگا ڈر!“

کانا چمگا ڈر بھی پیچھے کاٹت بن کر دیکھتا رہ گیا کہ رسیوں سے جکڑا ہوا اُس کا شکار کہاں چلا گیا۔ باقی تینوں بد معاشوں کی بھی آنکھیں کھلی تھیں اور چہروں پر پسینہ آیا ہوا تھا۔ کانے چمگا ڈرنے پر صبح مار کر کہا۔

”اس دوسرے شکار کو نہ جانے دینا۔ یہ کوئی جادوگر تھا۔ اس دوسرے شکار کو فوراً ہلاک کر دو۔“

تینوں بد معاش چھریاں کھانڈیاں لے کر غنبر پر لوٹ پڑے۔ مگر غنبر کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ ان اتنا اُسے فائدہ ضرور پہنچا کہ چھریوں اور کھانڈیوں کی پے درپے مزبوں سے اس کی رسیاں ٹوٹ گئیں اور وہ آزاد ہو گیا۔ اب سارے بد معاش اس پر حملے کر رہے تھے مگر غنبر اپنی جگہ پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس عرصے میں ناگ جو جھوٹے سے انتہائی زہر پے سانپ کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ کانے چمگا ڈر کے سامنے آ گیا۔ کانے چمگا ڈر نے خوف

سے پیچ ماری۔

”سانپ کو مارو۔ مارو۔“

عزیز نے ناگ سے کہا۔

”ناگ! اہیں سانپ بن کر نہیں شیر بن کر ختم کرو۔“

سارے بد معاش پہلے ہی دہشت زدہ تھے کہ اس شخص کے جسم پر کوئی زخم کیوں نہیں لگ رہا۔ اب جوانوں نے اُسے دیکھا کہ سانپ سے باتیں کر رہا ہے تو گردنیں گھٹا کر سانپ کو تکلے لگا۔ کانے چمگا دڑ نے چنگھاڑ کر کہا۔

”سانپ کو کچل دو کیٹو!“

لیکن اس سے پہلے کہ وہ سانپ پر حملہ کرتے ناگ نے اپنی جوں بدل ڈالی تھی اور اب کوٹھڑی میں ایک دس فٹ اونچا لمبا خونناک شیر منہ کھولے دھاڑ رہا تھا۔ شیر نے جھپٹ کر پہنچ مارا اور بیک وقت دو بد معاشوں کی گردنیں جسم سے الگ کر کے پرے پھینک دیں۔ تیسرا بھاگنے لگا شیر نے اُسے بھی جھپٹا مار کر دبوچ لیا اور جیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ کانے چمگا دڑ کانپ رہا تھا۔ وہ باہر کی طرف بھاگا۔ شیر نے زور سے دھاڑ ماری اور اُچھل کر کانے چمگا دڑ کے اوپر جا گرا۔ شیر کے بوجھ ہی سے کانے چمگا دڑ کی ہڈی پسلی ٹوٹ کر سرمہ بن گئی۔

شیر پھر سے ناگ یعنی انسانی شکل میں آگیا۔
عنبر نے کہا۔

”تمہاری آواز سارے محلے میں گونج رہی تھی۔ اب یہاں سے
بھاگ چلو۔ لوگ اکٹھے ہو جائیں گے۔“

دونوں کھڑکی میں سے کود کر گر جا گھر کے پیچھے آگئے۔ دیکھا
کہ محلے کے لوگ خوف سے سہمے ہوئے مکان کے دروازے پر کھڑے
ہیں اور ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کہ یہ شیر کی آواز
کہاں سے آئی تھی۔ ڈرتے ڈرتے کچھ لوگ اندر گئے تو اندر
چار آدمیوں کی کٹی پھٹی شیر کی بچائی ہوئی کاشیں پڑی تھیں۔ لوگ خوفزدہ
ہو کر بھاگ گئے۔ پولیس وہاں پر آگئی۔ عنبر اور ناگ وہاں
سے جا چکے تھے۔

فرعون کی ممی

اب اس شہر میں عنبر لہر ناگ کا جی نہیں لگتا تھا۔

ماریا کی تلاش سے وہ مایوس ہو چکے تھے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ ماریا اس شہر میں، بالکل اس ملک میں نہیں ہے۔ وہ ملک مصر میں واپس جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ مصر جانے کا خیال عنبر کو آیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مصران کا اصلی وطن ہے اور ماریا اگر کسی جگہ نہیں ملی تو مصر میں مزدور مل جائے گی۔ ایک روز شہر میں یہ دہشت ناک خبر پھیل گئی کہ شہر سے باہر سمندر کے کنارے والی چٹانوں کے پاس کچھ لوگ گم ہو گئے ہیں۔ پولیس نے مقدمہ درج کر لیا اور تفتیش شروع کر دی۔ دوسرے تیسرے روز اسی جگہ پر کچھ انسانوں کی کھوپڑیاں اور بازوؤں کی ہڈیاں پڑی ملیں۔ ان ہڈیوں کا ٹٹنا تھا کہ لوگوں میں خوف دہراس کی لہر دوڑ گئی۔ معاملہ قتل کا تھا۔ چنانچہ سراغرساں جیمز بھی میدان میں آگیا۔

ایک شام وہ عنبر کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

”میرا خیال ہے چٹانوں میں قاتل ڈاکو دبستے ہیں۔ انہوں نے

مسافروں کو اغوا کر کے قتل کر دیا ہے۔“
عہتر نے کہا۔

”اگر وہ لوگ ڈاکو ہیں تو انہیں مسافروں کو قتل کرتے کی
کیا عزورت تھی۔“

وہ ڈرتے ہوئے کہ یہ لوگ باہر جا کر پولیس کو خبر کر
دیں گے۔“
ناگ نے کہا۔

”ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔ آپ لوگوں کو چٹانوں کا گھیراؤ
کر کے اُن ڈاکوؤں کو تلاش کرنا چاہیے۔“
سراغ رساں نے کہا۔

”ہم نے چٹانوں کا چپہ چپہ چھان مارا ہے۔ وہاں کوئی غار
یا معمول سا کھوہ بھی نہیں ہے۔“

”پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟“ عہتر نے پوچھا۔
”میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اس تفتیش میں ہماری مدد کرو۔“
عہتر گہرا سانس لے کر بولا۔

”میں تیار ہوں۔ مگر جب تم لوگ ڈاکوؤں کو تلاش نہیں
کر سکے تو میں کیا کروں گا۔“

”بہر حال تمہاری مہربانی ہوگی اگر تم میرے ساتھ رہو۔“
عہتر انسانیت کی خاطر سراغ رساں کے ساتھ چل دیا۔ انہوں نے

صبح سے لے کر شام کمرہ دی - چٹاؤں کے ارد گرد سارے کا سارا علاقہ چھان مارا - مگر وہاں کسی ایک ڈاکو کے قدموں یا گھوڑے کے سموں کے نشان نہ ملے -
غیر نے کہا -

”میرا خیال ہے عالم لوگوں کو چاہیے کہ یہاں کبھی سپاہی کا پہرہ لگا دیں - ڈاکو دوسری بار کسی مسافر پر حملہ کریں تو سپاہی آسانی سے انہیں گرفتار کر سکتا ہے - یا اگر وہ زیادہ ہوں تو اُن کا پیچھا کر کے ان کے ٹھکانے سے خبردار ہو سکتا ہے۔“
سراغزسان کو یہ تجویز پسند آئی - اُسی روز ایک سپاہی کی ڈیوٹی لگا دی گئی - سپاہی ایک چٹان کے عقب میں بندوق لیے بیٹھا صبح سے شام تک پہرہ دیتا رہا - تین دن کے بعد اسی جگہ چٹان کے پاس اُس سپاہی کی لاش اس طرح ملی کہ اس کے جسم سے سارا گوشت نزع لیا گیا تھا - صرف اُس کی کھوپڑی اور وردی وہاں پڑی تھی - اس واردات نے لوگوں کے رونگٹے کھڑے کر دیئے - اب بڑے زور شور سے ڈاکوؤں کی تلاش شروع ہو گئی - ایک ہفتے تک کوئی واردات نہ ہوئی - پولیس بھی تنگ آگئی - انہوں نے یہی سمجھا کہ ڈاکو یہاں سے کوچ کر کے کسی اور علاقے میں چلے گئے ہیں - چنانچہ پولیس کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں -

عبر اور ناگ بھی میر جانے کی تیاریوں میں لگ گئے۔
 ہندو روز بعد ایک میاں بیوی دو رکھی گاؤں سے گھوڑے
 پر سوار آرہے تھے۔ شام کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔
 وہ دونوں بڑے مزے مزے گھوڑے چلاتے باتیں کرتے ہنستے
 مسکراتے چلے آرہے تھے۔ جب وہ سمندر کے کنارے چٹانوں کے
 پاس پہنچے تو ایک آڑ سے ایک دم چھ سات نیم عریاں ابلے
 بے بالوں دالے وحشی انسان نکلے اور دونوں میاں بیوی پر
 جھپٹ پڑے۔ ایک وحشی نے تلوار مار کر بیوی کا سر میاں کے
 سامنے تن سے جدا کر دیا۔ میاں یہ دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اُس
 نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب
 ہو گیا۔

وحشی ڈاکوؤں نے اس کا پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا اور
 اس کی بیوی کی لاش گھسیٹ کر چٹانوں میں لے گئے اور غائب
 ہو گئے۔

خوف زدہ خاندان نے تھانے میں رپورٹ درج کرائی تو ایک
 بار پھر وہاں پھیل مچ گئی۔ شہر میں ہنگامہ برپا ہو گیا کہ پولیس والے
 نااہل ہیں۔ ڈاکو بے گناہ انسانوں کے خون سے ہولی کھیل رہے
 ہیں اور پولیس کچھ نہیں کر رہی۔ یہ بات ملکہ برطانیہ تک بھی پہنچ
 گئی۔ اُس نے پولیس کو حکم جاری کر دیا کہ ایک ہفتے کے اندر وہ

ڈاکوؤں کو پکڑ کر عدالت کے سامنے پیش کیا جائے۔
 سرائزسان نے بھاگے ہوئے خاوند کی مدد سے پولیس کو ساتھ
 لے جا کر موقع کا معائنہ کیا۔ وہاں قدموں کے نشان مٹا دیے
 گئے تھے۔ ایک ایک چٹان کو جا کر غور سے دیکھا مگر وہاں
 کوئی وحشی ڈاکو نہیں تھا۔ یا خدا انہیں زمین کھا گئی کہ آسمان
 نے اٹھا لیا۔ وہ پریشان تھے کہ اچانک سرائز دھان کی نظر
 سمندر کی طرف جاتے دو چٹانوں کے درمیان تنگ راستے پر
 پڑی۔

ادھر جا کر معلوم کرنا چاہیے کہ وہاں کیا ہے ؟
 سرائزسان نے ایک پولیس کے سپاہی کو ساتھ لیا اور
 تنگ راستے پر اتر گیا۔ باقی دو سپاہی اُسی جگہ کھڑے پہرہ
 دیتے رہے۔

ابھی سرائزسان کو سپاہی کے ساتھ گئے تھوڑی دیر ہی
 ہوئی تھی کہ اچانک چھ سات وحشی ڈاکوؤں نے چٹانوں سے
 چھلانگیں ماریں اور سپاہیوں کی گردنوں پر آن گرے۔ سپاہی
 منہ کے بل گھر پڑے ابھی وہ اٹھنے کی کوشش ہی کر رہے تھے
 تھے کہ وحشی لوگوں کے نیزے اُن کے دلوں میں اتر گئے اور
 وہ وہیں مر گئے۔

ادھر سرائزسان سپاہی کو ساتھ لے کر چٹان کے نیچے سمندر

کے کنارے پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کھوہ ہے جہاں سمندر کا پانی کھڑا ہے وہاں زمین پر تازہ انسانی قدموں کے نشان بھی تھے۔ سراعزسان نے سپاہی کو اشارہ کیا اور وہ کھوہ میں اتر گئے۔ پانی گھٹنوں تک آتا تھا۔ وہ آگے چلنے لگے۔ آگے جا کر کھوہ نے ایک غار کی شکل اختیار کر لی۔ زمین پر نوز کیسے پتھر ابھرے ہوئے تھے جس کی وجہ انہیں چلنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ پھر بھی وہ چلتے گئے۔

کچھ دور آگے جا کر غار ایک جانب کو گھوم گیا۔

اب انہیں انسان کے گلے سترے گوشت کی بدبو آنے لگی۔ سراعزسان نے سپاہی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ہات پڑا سر ہو رہی ہے ایسا لگتا ہے یہاں کوئی آدم نور وحشی قبیضہ رہتا ہے جو انسانوں کا گوشت کھا کر زندہ ہے۔ سپاہی ڈر رہا تھا۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے

کہا۔

”سرا میرا خیال ہے ہمیں آگے نہیں جانا چاہیے۔“

سراعزسان نے ہنس کر کہا۔

”کیا ہمیں اپنی ڈیوٹی ادا نہیں کرنی چاہیے؟ گھبراہٹ انہیں میں

ہمارے ساتھ ہوں اور پھر ہمارے پاس بندوقیں بھی ہیں۔“

مگر اُن کی بندوقیں ان کے کچھ کام نہ آئیں۔ ابھی وہ اندھیرے

غار میں کچھ دور ہی آگے گئے تھے کہ تیروں کی ایک بوچھاڑ ان پر پڑی۔ بیک وقت کتنے ہی تیران دونوں کے سینے اور گردن میں کھپ گئے۔ درد کی ہلکی سی چیخ کے ساتھ سراعزساں اور سپاہی نوکیلے پتھروں پر گر پڑے اور آہستہ آہستہ دم توڑنے لگے وحشی لوگ ان کے سروں پر آن کر کھڑے ہو گئے۔ وہ سراعزساں اور سپاہی ہی لاشوں کو گھسیٹ کر غار کے اندر لے گئے اور اندھیرے میں گم ہو گئے۔

تین سپاہیوں اور سراعزساں کی گمشدگی نے کہرام مچا دیا۔ ان کی لاشیں بھی نہ مل سکیں۔ سب کو یقین تھا کہ وحشی لوگوں نے انہیں بھی قتل کر دیا ہے۔ معاملہ اور زیادہ پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ لوگوں نے ان چٹانوں کی طرف جانا بند کر دیا تھا۔ عنبر اور ناگ بھی اس صورت حال سے پریشان تھے کہ بے چارے شہریوں پر ستم توڑا جا رہا ہے۔ انہوں نے لوگوں کی مدد کرنے اور ان ڈاکوؤں قاتلوں اور وحشی لوگوں کو اپنے انجام تک پہنچانے کا فیصلہ کر لیا۔ عنبر نے کہا۔

”ابھی تک ہمیں یہ نہیں معلوم کہ یہ لوگ کون ہیں ڈاکو ہیں یا قاتل ہیں۔ اگر قاتل ہیں تو لوگوں کو کیوں قتل کرتے پھر رہے ہیں۔“

ناگ نے کہا -

”میرا خیال ہے کہ یہ ڈاکوؤں کا ایک پڑا سرا گروہ ہے۔ جو سمندری چٹانوں میں کسی خفیہ مقام پر رہتا ہے۔ یہ لوگ لوٹ مار کو کے مسافروں کو قتل کر دیتے ہیں بہر حال میں اس کا سراغ لگا کر رہوں گا۔ تم میرے ساتھ آؤ۔“

دونوں دوست، دونوں بھائی گھر سے نکل کر شہر سے باہر سمندر کنارے والی چٹانوں میں آگئے۔ یہ علاقہ بالکل سناں ہو گیا تھا۔ اگرچہ گھاؤں سے شہر آنے والی سڑک یہاں سے گزرتی تھی۔ مگر اس سڑک پر لوگوں نے سفر کرنا بند کر دیا تھا۔ سورج مغرب کی جانب غروب ہو رہا تھا اور دھوپ ڈھلنا شروع ہو گئی تھی۔ ناگ نے کہا -

”ہمیں ان چٹانوں کا ایک باد گھوم پھر کر پورا جائزہ لینا چاہیے کوئی نہ کوئی غار یہاں ضرور ہے جہاں یہ قاتل رہتے ہیں۔“ وہ کافی دیر تک چٹانوں میں گھومتے پھرتے رہے۔ آخر انہوں نے ایک مقام پر چٹانوں کے درمیان تنگ راستہ دیکھ لیا۔

”یہ دیکھو — یہ راستہ ضرور قاتلوں کی غار کو جاتا ہو گا غنبر! غنبر اور ناگ اُس تنگ راستے سے گزر کر اُسی کھوہ کے آگے آگئے جہاں سراغِ سناں پہاڑی کے ساتھ داخل ہوا تھا کمال

کی بات ہے کہ یہاں قدموں کا ایک بھی نشان نہیں تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے کسی نے سارے نشان مٹا دیئے ہیں۔ کھوہ کے منہ پر ہلکا ہلکا سمندر کا پانی کھڑا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ رات کو سمندر کی لہر یہاں آتی ہے اور پھوٹا سا پانی چھوڑ کر واپس چلی جاتی ہے۔ ناگ نے غبر سے کہا۔

”غبر بھائی! یہاں سے تمہارا کام ختم اور میرا شروع ہوتا ہے۔ تم اس جگہ بیٹھ کر میرا انتظار کرو۔ میں اندر جا کر معلوم کرتا ہوں کہ وہاں کیا اسرار چھپے ہوئے ہیں۔“
غبر نے کہا۔

”ذرا ہوشیار رہنا۔ قاتل بڑے چالاک لوگ لگتے ہیں۔ وہ کسی کو معاف نہیں کرتے۔“
ناگ نے مسکرا کر کہا۔

”تم بچکے نہ کرو۔ میں اُن سے زیادہ چالاک اور ہوشیار ہوں۔ تم اس جگہ میرا انتظار کرنا۔ میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا۔ اور پھر میں انسان کی شکل میں نہیں بلکہ سانپ کی شکل میں اندر جاؤں گا۔“

غبر نے ناگ کو کہ نصرت کیا۔ ناگ کھوہ کے اندر سانپ بن کر داخل ہو گیا۔ وہ لڑکیوں پر رینگتا غار کے اندھیرے میں آگے بڑھنے لگا۔ کافی دور تک وہ اندھیرے میں رینگتا رہا۔

آخر اُسے ایک موڑ کھومنے پر مہکی سی روشنی نظر آئی۔ یہاں انسانی گوشت کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ اس روشنی میں ناگ نے کچھ نیم عریاں انسانوں کو دیکھا کہ اُن کے جسموں پر لمبے لمبے بال تھے اور وہ ایک کھوہ کے باہر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ناگ زمین سے غار کی دیوار پر آگیا اور رینگتا ہوا اُن لوگوں کے سروں کے اوپر جا پہنچا۔

کیا دیکھتا ہے کہ وہ لوگ پتھر پر رکھ کر انسانی گوشت کا قیمہ بنا رہے ہیں اور اُسے کچا ہی کھا رہے ہیں۔ قریب ہی ایک انسان کی پوری ران پر ڈی تھی۔ ناگ نے کھوہ میں دیکھا تو وہاں انسانوں کے کٹے ہوئے بازو، دائیں اور سر لٹک رہے تھے۔ جیسے انہیں سکھانے کے لیے رکھ چھوڑا ہو۔ وہ حیران رہ گیا تو کیا یہ لوگ آدم خور تھے؟

ناگ نے تاریخ کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے کئی آدم خور وحشی دیکھے تھے مگر وہ دُور دراز گننام جنگلوں میں رہتے تھے۔ یہ وحشی لوگ شہر کے باہر چٹانوں میں آباد تھے اور ان کا شکار کر کے کھاتے تھے۔ یہ گائے، بیل کا گوشت کھا کر مہذب انسانوں کی طرح بھی زندگی بسر کر سکتے تھے۔ آخر ان لوگوں کو کس نے آدم خور بنا دیا؟ ایک جگہ ناگ نے سرازیر انسان کی لڑپی دیکھی۔

اتنے میں سامنے سے کچھ آدم خور وحشی آگئے۔ یہ سب

جنگلی لگتے تھے جو زمانہ تاریخ سے پہلے غاروں میں رہا کرتے تھے۔
ان میں کچھ عورتیں بھی تھیں۔ عورتیں بھی انسان کا گوشت بڑے
شوق سے کھا رہی تھیں۔ ناگ کے بدن پر خون سے جھرجھری آگئی۔

وہ وہاں سے واپس ہوا اور اندھیرے غاروں میں دینگتا
بڑی مشکل سے لڑکیلے پتھروں پر سے گزرتا غار کے باہر آگیا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ ابھی شام کی روشنی باقی تھی۔ عنبر
باہر ایک جگہ بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ناگ پھر سے انسانی
شکل میں آگیا۔ عنبر اٹھ کر اُس کے پاس آیا۔

”کچھ پتہ چلا؟“

ناگ نے شروع سے آخر تک ساری کہانی اُسے سنا دی۔
عنبر کے بھی رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

”تو کیا یہ لوگ وحشی آدم خور ہیں؟ یہ کہاں سے آکر

یہاں آباد ہو گئے؟“

ناگ بولا۔

”یہی تو میں حیران ہوں۔ بہر حال سوچنا یہ ہے کہ اب ہمیں
کیا کرنا چاہیئے؟ کیا میں ان لوگوں پر جا کر اکیلا حملہ کر دوں؟
میرا خیال ہے میں اکیلا سانپ بن کر ان لوگوں کو ہلاک نہ کر سکوں
گما۔ کیونکہ وہ بہت سے لوگ ہیں اور ہر ایک کے پاس چھڑا
ہے۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اگر میں شیر یا باغی بن کر

انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کروں تو وہ اور کچھ نہیں تو خود
مرتے مرتے مجھے بھی شدید زخمی ضرور کر دیں گے۔
عبر نے کہا۔

”تمہارا خیال صحیح ہے۔ پھر ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا
چاہیئے؟“
ناگ نے کہا۔

”میرا تو خیال ہے کہ ہمیں پولیس کو اطلاع کرنی چاہیئے۔ تاکہ
سپاہی اس غار میں داخل ہو کر ہندوؤں سے حملہ کر کے
ان لوگوں کو گرفتار کر لیں یا ہلاک کر دیں۔“
عبر کو یہ تجویز پسند آئی۔ اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ آؤ میرے ساتھ ہم پولیس والوں کے پاس
جاتے ہیں۔“

دونوں تھانے پہنچ گئے۔ موٹا تھانے دار اب عبر اور ناگ کی
بڑی عزت کرتا تھا۔ کیونکہ عبر کی وجہ سے ”R“ نام کا بدنام
قاتل پکڑا گیا تھا۔ اُس نے دونوں کو عزت سے بٹھایا اور
پوچھا۔

”میں تم لوگوں کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“
عبر نے کہا۔

”اس وقت تو ہم آپ کی خدمت کے لیے آئے ہیں۔ ہم نے

چٹانوں میں رہنے والے آدم خور ڈاکوؤں کا سراغ لگا لیا ہے۔
 ”کیا؟“ موٹا تھانے مار خوشی سے اُچھل پڑا۔
 ناگ بولا۔

”ہاں! ہم نے وہ غار دیکھ لیا ہے جہاں وحشی آدم خور رہتے
 ہیں۔ وہاں سرازسان کی لڑپنی بھی پڑی تھی۔ ان لوگوں نے
 سرازسان کو بھی مار کر بڑپ کر لیا ہے۔“
 موٹے محفانیدار نے سہم کر کہا۔
 ”کیا یہ قاتل۔ انسانوں کا گوشت کھاتے ہیں؟“
 ناگ نے کہا۔

”جی ہاں! انسانی گوشت کا تیرہ بنا کر کھاتے ہیں اور موٹے
 آدمی کو بہت پسند کرتے ہیں۔“
 موٹا تھانے دار سمٹ کر بیٹھ گیا۔ وہ ڈر گیا تھا۔ اس نے کہا۔
 ”سڑخبر اور ناگ بھائی! اگر آپ اس گروہ کو گرفتار کرا دیں
 تو میری آنے والی نہیں آپ کا یہ احسان عمر بھر نہ بھولیں گے۔ ملکہ
 وکٹوریہ نے مجھے ابھی میٹم دے رکھا ہے کہ اگر میں نے ایک ہفتے
 کے اندر اندر قاتلوں کو پکڑ کر دربار میں پیش نہ کیا تو مجھے لڑکری
 سے جواب دے دیا جائے گا۔“
 سڑخبر بولا۔

”اب آپ کی لڑکری سلامت رہے گی جناب! آپ پولیس کی

پارٹی لے کر غار میں جائیں اور ان لوگوں کو گرفتار کریں۔
 ناگ نے کہا۔

”لیکن آپ کو گولہ بارود ساتھ لے جانا ہو گا۔ وحشی آدم خور
 تیروں اور خجروں سے پوری طرح مستح ہے۔“
 موٹے تھکانے دار نے کہا۔

”آپ فکر نہ کریں جناب! میں ایک توپ لے جا کر غار کے
 منہ پر لگا دوں گا۔ میں گولہ باری کر کے ساری چٹانیں اڑا دوں
 گا مگر ان وحشی آدم خوروں کو زندہ یا مردہ ضرور پکڑ لوں گا۔
 انہوں نے ہمارا جینا حرام کر رکھا ہے۔“

”تو پھر صبح جملے کے لیے تیار ہو کر سمندر کے کنارے چالوں
 کے پاس آجائیں۔ ہم وہاں آپ کا انتظار کریں گے۔“
 دوسرے روز موٹے تھکانے دار نے ایک دستہ اور ایک جھوٹی
 توپ ساتھ لی اور سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ مہر اور ناگ وہاں پہلے
 سے ہی کھڑے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ہر سپاہی کے کندھے پر
 بندوق تھی۔

تھکانے دار نے کہا۔

”کہاں ہے وہ غار مسٹر عنبر؟“

عنبر اور ناگ انہیں غار کے منہ پر لے گئے۔ موٹے تھکانے دار
 نے گھوڑے سے اتر کر سپاہیوں کو آگے بڑھنے کے لیے کہا۔ سپاہی

بندوقیں لیے غار کے منہ پر آگئے۔
عزیز نے کہا۔

”میرا خیال ہے توپ کو بھی ساتھ ہی لے چلیں کیونکہ صرف
یہی ایک ہتھیار ایسا ہے جس کے آگے انسان وحشی آدم خوروں
کی ایک نہ پیش جائے گی۔“
”ٹھیک ہے۔“

چنانچہ اُسی وقت توپ کو آگے کیا گیا اور اس کے پیچھے
سپاہی تھا نیدار، عزیز اور ناگ غار کے اندر داخل ہوئے۔
لوک دار پتھروں پر چلتے ہوئے موٹے تھانے دار کو سخت تکلیف
ہو رہی تھی۔ وہ ہانپتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اس پر خوف سے
لہزدہ بھی طاری تھا۔

”مسٹر عزیز! ابھی اور کتنی دور چلنا ہے، ہمیں؟“
ناگ بولا۔

”بس تھوڑی دور اور جائیں گے۔“

ایک جگہ موڑ گھومتے ہی انہیں روشنی نظر آئی۔ اس روشنی
میں تھانے دار نے کچھ آدم خور وحشی دیکھے جو کسی انسان کے
گوشت کے ٹکڑے کمرہے تھے۔ نہ جانے ان وحشیوں کو کس
طرح سے پتہ چل گیا کہ دشمن ان کے غار میں داخل ہو چکا ہے۔
وہ تیرکان لے کر آگے بڑھے۔ ایک وحشی نے بیخ ماری اور تیر

چلا دیئے۔ اگر ناگ عین وقت پر تھانے دار اور سپاہیوں کو زمین پر لیٹ جانے کو نہ کہتا تو قیروں سے کئی لوگ ہلاک ہو جاتے۔ ناگ نے چیخ کر کہا۔

”سنو! اپنے ہتھیار پھینک دو وحشی لوگو! ہمارے پاس توپ ہے۔ ہم اُسے چلا کر تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔“
آدم خوروں کا سردار بھونچکا ہو کر رہ گیا۔ مگر اُس نے جواب دینے کی بجائے قیروں کی ایک اور بوچھاڑ مارنے کو کہا۔
سن سن کرتے تیر سپاہیوں کے سروں پر سے گزرنے لگے۔ غبرنے کہا۔

”توپ چلا دو۔ منہ کیا دیکھ رہے ہو ان قاتلوں کا؟“
تھانے دار نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”خاترا!“

”دھاتیں“

ایک زبرد دار دھماکہ ہوا۔ بارود کا دھواں پھیلا جب دھواں چھٹا تو غار میں کئی آدم خوروں کی لاشیں تڑپ رہی تھیں۔ سپاہی آگے بڑھے۔ غبر سب سے آگے تھا۔ وہ کھوہ کے منہ پر آگیا جس کے اندر انسانی اعضا کے ٹکڑے چھت سے لٹک رہے تھے۔ ایک جانب سے کسی وحشی نے کلہاڑی سے غبر پر حملہ کر دیا۔ کلہاڑی کا پھل سیدھا غبر کے سر پر آکر لگا۔ اس کی

جگہ کوئی اور انسان ہوتا تو اُس کا سر دو ٹکڑے ہو گیا ہوتا۔
مگر عنبر پر کھنڈی کی ضرب کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ الٹ کھنڈی
کا پھل لوٹ کر گر پڑا۔ عنبر نے پلٹ کر حملہ کرنے
والے وحشی کو گردن سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ اُسے دونوں ہاتھوں
سے اٹھایا اور پوری طاقت سے سامنے والی دیوار کے ساتھ
پہنچ دیا۔ وحشی آدم خور کی کھوپڑی لوٹ کر بکھر گئی۔

سامنے والی غار سے کئی ایک اور وحشی آدم خور تیر کمان اور
خنجر لیے نکل آئے۔ سپاہیوں نے بندوقوں کی بارڈھ ماری۔ کتنے
ہی وحشی آدم خور خون میں لت پت گر پڑے۔ باقی وحشی آدم
خوروں نے ہتھیار ڈال دیے۔ موٹا تھکانے دار۔ اُن سب کو زنجیریں
پہنا کر گرفتار کر کے غار سے باہر لے آیا۔ یہ وحشی تعداد میں گیارہ
تھے۔ ان میں خورتیں بھی تھیں۔ باقی سارے آدم خور ہلاک ہو
چکے تھے۔ ان وحشیوں کو چھکڑے پر بٹھا کر دربار میں لایا گیا۔
ملکہ نے تھکانے دار کو انعام دیا۔ ترقی دی اور حکم دیا کہ ان وحشی
آدم خوروں کو اذیت ناک موت دی جائے۔

دوسرے روز ان گیارہ آدم خوروں کو الگ الگ زمین پر
لوہے کی سلاخ سے باندھ دیا گیا۔ اُن کے ارد گرد گیلی
اور خشک لکڑیاں چن دی گئیں۔ گیلی لکڑیاں اس لیے کہ آگ
آہستہ آہستہ ٹلے اور وہ اذیت کے ساتھ جل جل کر مرے۔

خشک لکڑیوں کو آگ دکھا دی گئی۔ خشک لکڑیوں نے ایک دم سے آگ پکڑ لی۔ گیلی لکڑیوں نے ہوئے ہوئے ٹنگنا شروع کر دیا۔ آخر آگ کے شعلوں اور دھوئیں نے اُن آدم خود و حشیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

عبر اور ناگ کو بھی خدمت کے متنے دیئے گئے۔

مگر انہیں ان العاموں اور تمنوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اُن کا دل تو اپنی بہن ماریا کی طرف مچل رہا تھا۔ چنانچہ ایک روز وہ ایک بحری جہاز میں سوار ہوئے اور ملک مصر کی جانب روانہ ہو گئے۔ یہ جہاز کافی بڑا جہاز تھا اور مسافروں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے بادبان بھی تھے اور دفانی جہاز بھی تھا۔ رفتار اس کی زیادہ نہ تھی۔ رات کو عبر اور ناگ نیچے کے عرشے پر آ گئے۔ اُن کا ایک چھوٹا سا کین تھا۔ کین کا دروازہ انہوں نے اندر سے بند کر لیا تھا۔ وہ ماریا کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ انہیں یقین تھا کہ مصر میں انہیں ماریا ضرور مل جائے گی۔

پیارے بچو! اب ذرا ماریا کی طرف چلتے ہیں۔

یہ تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ ماریا ایک جہاز کے طور میں قید ہو گئی تھی۔ وہ تو غائب ضرور تھی مگر

باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ اُس نے بہت کوشش کی، دروازہ کھولنے کی مگر دروازہ اس قدر مضبوط ہے کہ وہ ذرا

بھی اپنی جگہ سے نہیں اُبل رہا تھا۔ مجبور ہو کر ماریا نے ہتھیار ڈال دیئے اور جدھر جہاز جا رہا تھا اُس طرف جانے پر راضی ہو رضا ہو گئی۔

راستے میں وہ سٹور روم میں رکھے پھل اور شربت سے اپنی بھوک اور پیاس بجھاتی رہی۔ جہاز ایک مہینے کے بعد مصر کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہو گیا۔ ماریا سٹور میں ہی بیٹھی تھی۔ اس نے انجنوں کے بند ہونے کی آواز سُن لی تھی۔ اب وہ اس انتظار میں تھی کہ کوئی آکر سٹور کا دروازہ کھولے اور وہ باہر نکلے۔ کافی دیر بعد اُسے باہر سے تالا کھینے کی آواز سنائی دی۔ وہ ہوشیار ہو گئی۔ اتنے میں سٹور روم کا دروازہ کھلا۔ روشنی اندر آئی۔ ماریا نے گہرا سانس لیا۔ روشنی کے ساتھ ہی تازہ ہوا بھی اندر آئی۔ ماریا نے گہرا سانس لیا۔

اُسے اپنے بدن میں تازہ خون کی گردش محسوس ہوئی۔ سٹور روم میں مزدور آکر صندوقوں اور بورلیوں کو اٹھانے لگے۔ انہوں نے جگہ جگہ پھل کے چھلکے بکھرے ہوئے اور شربت کی بوتلیں کھلی دیکھیں۔ تو بڑے حیران ہوئے۔ اُن کو حیران چھوڑ کر ماریا جہاز کے اوپر آ گئی۔ یہاں دھوپ اور روشنی تھی۔ ماریا نے آنکھیں بند کر کے خوشی کا لمبا سانس لیا۔ اس کے بعد وہ بیڑھی پر سے اتار کر نیچے بندرگاہ پر آ گئی۔ ایک مہینے

کے بعد زمین پر پاؤں رکھنے سے اُسے بڑی خوشی ہوئی تھی وہ بندرگاہ سے باہر آگئی۔ اس کا لباس گندہ ہو گیا تھا۔ پھٹ بھی گیا تھا۔ اگرچہ اُس کے لباس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا پھر بھی وہ چاہتی تھی کہ اس کا لباس صاف ستھرا ہو۔ وہ بندرگاہ سے باہر آگئی۔ مصر میں وہ آج سے ہزاروں برس پہلے بھی رہا کرتی تھی۔ اس وقت کے مصر اور آج کے مصر میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ بگھیاں اور گھوڑا گاڑیاں چل رہی تھیں۔ لوگ پرانی خوبصورت مسجدوں میں نماز پڑھنے جا رہے تھے۔ نیلے آسمان پر سفید کبوتروں کی ٹولیاں اڑ رہی تھیں۔ ماریا بندرگاہ سے نکل کر ایک بازار میں چلنے لگی۔ چلتے چلتے وہ ایک چھتے ہوئے بازار میں آگئی۔ یہاں دکانوں میں طرح طرح کی چیزیں بک رہی تھیں۔ ماریا نے دیکھا ایک دکان میں عورتوں کے کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ ان میں ایک لباس اُسے پسند آگیا۔ وہ دکان کے اندر آگئی۔

دکان میں قالین بچھے تھے الماریوں میں زنانہ لباس لٹکے ہوئے تھے۔ ایک عورت کرسی پر بیٹھی میز پر کوئی کتاب رکھے پڑھ رہی تھی۔ ماریا نے ایک لباس اپنے لیے پسند کر لیا۔ اب وہ اس انتظار میں تھی کہ یہ عورت اٹھ کر باہر جائے تو وہ الماری میں سے لباس نکال کر پہنے۔ مگر عورت اٹھتی ہی نہیں

حققی تنگ آکر ماریا نے الماری کھول دی۔ الماری کے کھلتے ہی آواز سن کر عودت نے سراٹھا کر دیکھا۔ الماری کا پیٹ کھلا تھا۔ یہ کس نے کھول دیا؟ وہ حیران ہو کر اٹھی۔

اس نے الماری دوبارہ بند کر دی اور واپس مڑی۔ جونہی وہ واپس ہوئی اور اس کی پیٹھ ماریا کی طرف ہوتی ماریا نے جلدی سے الماری کھول کر ایک بوڑا نکال لیا۔ بوڑا اس کے ہاتھوں میں آتے ہی غائب ہو گیا۔ الماری کھلنے کی آواز سن کر عودت دوبارہ پلٹی۔ دیکھتی کیلئے کہ الماری پھر سے کھلی ہے اور ایک زنانہ بوڑا غائب ہے۔ بڑی پریشان ہوئی۔ جھک کر یہاں وہاں دیکھا مگر کہیں کچھ نہیں تھا۔ حالانکہ ماریا اس کے قریب کھڑی تھی۔ ماریا چپکے سے ساتھ والے کمرے میں چلی گئی اور اس نے لباس تبدیل کر لیا۔ لباس پہن کر دوبارہ آئی تو اُسے سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔

اس بازار کے نمکڑ پر ایک ہوٹل تھا جہاں گوشت اور پلاؤ اور گرم گرم نان بک رہے تھے۔ لوگ بڑے بڑے مزے سے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ماریا بھی ہوٹل میں آگئی۔ اس نے بڑے آرام سے ایک مثال میں سے دو نان اور کچھ کباب اٹھائے اور ایک میز پر آکر بیٹھ کر کھانے لگی۔ ہوٹل والے نے دو نان اپنی جگہ سے اوپر ہو کر غائب ہوتے دیکھے تو سر کو جھٹک کر پھر دیکھنے لگا۔ اس بار دوسرے مثال میں سے کچھ کباب اپنی جگہ سے اٹھے اور وہ بھی غائب

ہو گئے۔ ہوٹل والے نے آنکھیں زور زور سے میں اور بیرے کو آواز دے کر کہا۔

”عبدال!“

”جی حضور!“

”کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں؟“

”کیا مطلب حضور؟“

”میرا مطلب ہے میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟“

”نہیں حضور! یہ دن کا وقت ہے۔ آپ ہوٹل کی گدی پر بیٹھے

ہیں۔ خواب کہاں سے آ گیا؟“

ہوٹل کے مالک نے سر جھٹک کر کہا۔

”تو پھر اس مثال میں سے کباب اور نان کہاں غائب ہو گئے؟“

عبدال نے مثال کو دیکھا اور پھر مالک کو دیکھا۔

”سرکار! یہاں تو سارے نان کباب رکھے ہوئے ہیں۔ غائب

کہاں ہوتے ہیں؟“

”ارے نہیں اُوّ کے بچے! ابھی ابھی یہاں سے دو نان اور کباب

میں نے خود اپنی آنکھوں سے گم ہوتے دیکھے ہیں۔“

عبدال نے جھٹک کر اپنے مالک کو دیکھا اور دوسری طرف بھاگ

گیا۔ ماریہ نے بڑے آرام سے کھانا کھایا۔ پانی اُس کے پاس

نہیں تھا۔ کسی نوکر کو وہ آواز تو دے نہیں سکتی تھی۔ اُس

کے ساتھ والی میز پر ایک شخص بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ پانی کی مراچی اس کے آگے دھری تھی۔ ماریا نے بڑے اطمینان سے مراچی اٹھائی اور پانی پینا شروع کر دیا۔ اس آدمی نے جو مراچی میز پر سے غائب ہوتی دیکھی تو کھانا کھاتے کھاتے اٹھ کر بھاگا۔ سیدھا ہوٹل کے مالک کے پاس جا کر بولا۔

”وہ - وہ - وہ مراچی“

ہوٹل کے مالک نے پوچھا۔

”کیا - کیا - کیا مراچی؟“

گاہک بولا۔

”وہ - وہ مراچی غائب ہو گئی ہے۔“

ہوٹل کے مالک نے پلٹ کر میز پر دیکھا۔ مراچی وہاں رکھی تھی۔ ماریا نے پانی پینے کے بعد مراچی دوبارہ وہاں رکھ دی تھی۔ گاہک نے کہا۔

”خدا کی قسم میں نے اپنی آنکھوں سے مراچی غائب ہوتے دیکھی ہے؟“

ہوٹل کے مالک نے عبدال کو آواز دی

”عبدال؟“

”جی حضور!“

”میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔“

ہوٹل کا مالک سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

ماریا اچھی طرح سے کھابی کر ہوٹل سے باہر نکل آئی۔ آتی دنو
اُس نے میز پر ایک اشرفی رکھ دی تھی۔ اب جو وہ اشرفی ہوٹل
کے مالک نے دیکھی تو غش کھا کر گر پڑا۔ کیونکہ وہ اشرفی ایک
ہزار برس پرانی تھی۔ ماریا شہر سے نکل کر باہر آ گئی۔

یہاں کچھ ورکے بے شمار باغ تھے۔ اُسے کوئی ایسی جگہ چاہیے
تھی جہاں وہ رات کو اپنا ٹھکانہ بنا سکے۔ کیونکہ معلوم نہیں ابھی
اُسے کتنے دن اس شہر میں رہنا تھا۔ ایک باغ سے گزرتے ہوئے
اُس نے ایک جھونپڑی دیکھی۔ اس جھونپڑی میں ایک بوڑھی
عورت لکڑی کے تخت پر بیٹھی کپڑے سی رہی تھی۔ ماریا اُس کی
طرف دیکھ کر مسکراتی اور باغ سے باہر نکل آئی۔ یہاں سے ایک
سڑک دیت میں سے گزرتی ہوئی دُور اہرام مصر کو جا رہی تھی۔
ماریا نے پہلی بار مصر کے اہرام نہیں دیکھے تھے۔ وہ اس سے پہلے
بھی ان اہراموں میں آپکی تھی۔

”کیوں نہ میں ان اہرام میں رات بسر کروں؟“

یہ خیال ماریا کو اچھا لگا۔ اہرام پُر سکون جگہ ہوتی ہے۔ وہاں
کوئی اس کو پریشان نہیں کرے گا۔ یہ سوچ کر وہ اہرام کی طرف
چل پڑی۔ ایک اہرام کے قریب جا کر اُس نے دیکھا کہ غمہ لگا ہے۔
اور مزدور اہرام کی کھدائی کر رہے ہیں۔ وہ بڑی حیران ہوئی کہ
یہ لوگ کھدائی کیوں کر رہے ہیں؟

خیچے ہیں ایک انگریز اپنے ساتھی کے آگے میز پر نقشہ رکھے
اُس سے باتیں کر رہا تھا۔ مایا ذرا فاصلے پر کھڑے ہو کر اُن کی
باتیں سننے لگی۔ موٹا انگریز کہہ رہا تھا۔

”اس نقشے کے حساب سے ہمیں ابھی ایک اور چٹان کی کھدائی کرنی
ہو گی۔ اس کے آگے اہرام میں ایک دیوار آئے گی۔ اس دیوار کے
اندر جو اہرام ہے وہاں مصر کے بادشاہ رمیز کا خزانہ دفن ہے۔“
ساتھی انگریز کی باغپیں کھل گئیں۔

”کیا ہم اس خزانے تک پہنچ سکیں گے؟“
”کیوں نہیں؟“ موٹے انگریز نے کہا۔ ”آخر ہم نے اتنی محنت کس لیے
کی ہے؟ میں نے اپنا روپیہ پانی کی طرح بہایا ہے۔ محض اس لیے کہ
ایک دن مجھے اہرام کا قیمتی خزانہ مل جائے گا۔ جانتے ہو اس خزانے
میں کیا کیا ہے؟“

”کیا کیا ہے؟“ انگریز کے ساتھی نے پوچھا۔
”سونے کے پتنگ، سونے کے صوفے، سونے کی بگھی، سونے کی
انٹیں، سونے کے تابوت اور سونے کے ایسے ایسے زیورات اور جواہرات
جو تم نے آج تک نہ دیکھے ہوں گے۔“
دوسرے انگریز کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

”تو پھر ہمیں کھدائی جلدی کرنی چاہیے۔“
”نکد نہ کرو۔ مصر کا پاشا ہمارے ساتھ ہے۔ ہم نے اُسے آدھا

خزانہ دینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ مگر ہم اُسے ایک پائی بھی نہیں دیں گے۔ ہم خزانہ راتوں رات اونٹوں پر لاد کر یہاں سے سمندر کی جانب روانہ کر دیں گے جہاں سے وہ ہمارے جہاز پر لاد دیں گے اور جہاز رات کی تاریکی میں اپنی منزل پر روانہ ہو جائے گا۔

”بڑی اچھی ترکیب ہے۔“

ماریا کو بڑا افسوس ہوا کہ رعیز فرعون مصر کا خزانہ یوں لوٹنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ مگر اس فرعون مصر سے مل چکا تھا۔ اُس نے بتایا تھا کہ مصر کا یہ بادشاہ بڑا رحمدل تھا اور غریبوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ ماریا ساتھ والے اہرام میں آگئی۔ یہاں باہر کی دھوپ اور گرمی بالکل نہیں تھی۔ ماحول بڑا ٹھنڈا تھا۔ ماریا نے یہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک دیوار کے ساتھ بڑا آرام دہ چھوڑا تھا۔ ماریا اس چھوڑے پر چڑھ کر لیٹ گئی۔ دوپہر کی تھکی ہوئی تھی۔ وہ سو گئی۔ کافی دیر تک وہ سوتی رہی۔ سوکر اٹھی تو تازہ دم تھی۔ اہرام سے باہر نکل تو شام ہو گئی تھی۔ انگریزوں کے خیمے میں موم بتی جل رہی تھی۔ شاید وہ لوگ کھانا وغیرہ کھا رہے تھے۔ ماریا کو بھی بھوک محسوس ہوئی وہ خیمے میں آگئی۔ میز پر قسم قسم کے پھل اور کھانے لگے تھے۔ دونوں انگریز لیئرے کھانا کھا رہے تھے۔

ماریا نے یہاں بھی وہی کام کیا۔ یعنی آگے ہاتھ بڑھا کر اپنی پسند کا کھانا اور پھل ہوتی پھلی اٹھائی اور خیمے سے باہر نکل گئی۔

دونوں انگریزوں نے میز پر سے اچانک دو تھالیاں غائب ہوتے دیکھیں تو پریشان ہو گئے۔ موٹے انگریز کا نزالہ وہیں رہ گیا۔ اس کا ساتھی بھی خوف زدہ سا ہو کر ادھر ادھر تکنے لگا۔

”یہ تھالیاں کہاں غائب ہو گئیں؟“

موٹے انگریز نے کوئی جواب نہ دیا۔ آنکھیں کھولے چیمے میں تکتا رہا۔ اس کا ساتھی پھر بولا۔

”انہرام مصر کے بادشاہ کی روح یہاں آ گئی ہے۔“
موٹے انگریز نے کہا۔

”بادشاہ کی روحیں بھوک نہیں ہوا کرتیں۔ انہیں ہماری میز پر سے کھاتے کی تھالیاں اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ ویسے بھی روحوں کو بھوک نہیں لگا کرتی۔“

”تو پھر تھالیاں کہاں غائب ہو گئیں؟“

اس کا جواب موٹے انگریز کے پاس بالکل نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔ دل میں ضرور ڈر رہا تھا۔ اتنے میں عبدال نام کا آل کا مصری ملازم شربت لے کر آ گیا۔ اُسے پتہ چلا کہ تھالیاں گم ہو گئیں ہیں۔ تو وہ بولا۔

”جناب! میں نہ کہتا تھا کہ کھداتی نہ کریں۔ مصر کے بادشاہ کی روح آپ سے انتقام لے گی۔“

”کو اس بند کرو عبدال!“ موٹے انگریز نے اُسے ڈانٹ دیا۔

عبدال خاموشی سے مشربت میز پر رکھ کر باہر نکل گئی۔ دوسرے نیچے میں وہ چلتے تیار کرنے لگا۔ ماریا نے اُسی نیچے میں آکر کھانا کھایا۔ اُسے معلوم تھا کہ عبدال مصر کا باشندہ ہے اور اُسے یہ گوارا نہیں ہے کہ باہر کے لوگ آکر اُن کے اہرام کا خزانہ لوٹ کر لے جائیں۔ ماریا خاموشی سے اپنے اہرام میں آگئی۔ کچھ دیر تک وہ ناگ اور منبر کے بارے میں سوچتی رہی پھر سو گئی۔

رات کو نہ جانے کس وقت اس کی آنکھ کھل گئی۔

کیا دیکھتی ہے کہ کمرے میں ہلکی ہلکی نیل روشنی سی پھیلی ہے۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ اُسے آہستہ آہستہ قدموں کی چاپ سنائی دی۔ جیسے کوئی بڑے آرام سے اس کی جانب چلا آ رہا ہے۔ ماریا اٹھ کر بیٹھ گئی۔ آواز قریب آ رہی تھی۔ نفوذی دیوار بعد کمرے میں کافور کی بڑی تیز بو پھیل گئی تھی۔ یہ بو مصر کی پرانی میوں سے آیا کرتی تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ کمرے سے جو تنگ سارا سترہ دوسرے اہرام کو جاتا تھا۔ ادھر ہلکا سا دھواں اٹھا۔ ایک ستون سا دھواں کاکھڑا ہو گیا۔ پھر یہ ستون پتلا ہوتے ہوتے ایک معری می کی شکل اختیار کر گیا۔ می قریب آکر رک گئی۔ ماریا نفوذی نفوذی ڈری۔ می کے سر پر سونے کا تاج تھا جس میں سونے کا ایک سانپ چھن پھیلائے کھڑا تھا۔ می کے دونوں ہاتھ اُس کے سینے پر بندھے ہوئے تھے۔ باقی اُس کے سارے بدن پر پٹیاں لپیٹی ہوئی تھیں۔

ممی کا چہرہ ہنسنے کی طرح ساکت تھا۔ آنکھیں اندھیرے میں ادھر
 اُدھر دیکھ رہی تھیں جدھر ماریا کھڑی تھی۔ کہ ممی کی بھاری، خشک،
 کھردری سی آواز سنائی دی۔

”ماریا!“

ماریا اچھل پڑی۔ ممی بولی تھی اور اس نے ماریا کا نام لے
 پکارا تھا۔ تو کیا وہ اُسکا نام بھی جانتی ہے؟ ممی نے پھر کہا۔
 ”ماریا! میں رعینہ ہوں۔ فزعون مصر۔ دریائے نیل کا شہنشاہ۔
 میں ساکتہ والے اہرام سے اٹھ کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ اس
 وقت میرا تابوت خالی ہے یہ لوگ میرا خزانہ لوٹنے آئے ہیں۔
 ان کی وجہ سے میں پریشان ہو گیا ہوں، میں پانچ ہزار سال سے
 اپنے اہرام کے تابوت میں سکون کی نیند سو رہا تھا کہ ان ڈاکوؤں
 نے آکر مجھے پریشان کر دیا ہے۔“

ماریا نے کہا۔ ”اے شہنشاہ! آپ کیا چاہتے ہیں؟“

فزعون مصر کی ممی نے کہا۔

”میں نہیں چاہتا کہ یہ لوگ میرا خزانہ چھرا کر لے جائیں۔ یہ

میرا خاندانی خزانہ ہے۔“

ماریا نے کہا۔ ”میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گی شہنشاہ! یہ لوگ

آپ کے خزانے تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ آپ آرام سے واپس اپنے

تابوت میں جا کر سو جائیں۔“

مئی کے ہونٹ ساکت ہو گئے۔ اس کے ہتھرجیسے چہرے پر گہری خاموشی
 چھا گئی اور وہ سکون کے ساتھ واپس مڑی اور اندھیرے کاستون
 بن کر کمرے کی تاریکی میں غائب ہو گئی۔ ماریا دم بخود اُسے جاتے
 دیکھتی رہی۔ وہ اپنے۔۔۔ ابرام سے نکل کر باہر انگریزوں کے خیمے میں
 گئی، وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ خیمہ بالکل خالی تھا۔ ماریا حیران
 ہوئی کہ یہ کہاں گئے ہیں۔ ساتھ واسے خیمے میں مصری نوکر عبدال گہری
 نیند سو رہا تھا۔ ماریا نے صحرائی چاندنی میں ریت پر اُن انگریزوں
 کے قدموں کے نشان دیکھے۔ وہ ان نشانوں کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔

❖ ❖ ❖ ❖

قدموں کے پڑا سرا نشان ماریا کو کہاں لے گئے؟
 مصر کے فرعون نے کیوں کر انتقام لیا؟
 عہز اور ناگ نے مصر پہنچ کر کیا دیکھا؟
 یہ آپ اس ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں گے۔